غیر مقلدین کی مشہور کتاب

"صلوٰۃ الرسول"

میں

ضعیف احادیث، بے احتیاطیاں اور غلط مسائل

مولانا مفتی جمیل احمد نذیری

مکتبہ صداقت
نوادہ، مبارک پور، اعظم گڑھ، یوپی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

غیر مقلدین کی مشہور کتاب

صَلوٰۃُ الرَّسُوْل

میں

ضعیف احادیث، بے احتیاطیاں

اور

غلط مسائل

از

مولانا مفتی جمیل احمد نذیری

مہتمم جامعہ عربیہ احیاء العلوم نوادہ، مبارکپور

مکتبہ صداقت نوادہ مبارک پور اعظم گڑھ، یوپی، ۲۷۶۴۰۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفصیلات

نام کتاب:	غیر مقلدین کی مشہور کتاب ''صلوٰۃ الرسول'' میں ضعیف احادیث، بے احتیاطیاں اور غلط مسائل
مصنف:	مولانا مفتی جمیل احمد نذیری
کمپوزنگ:	(قاری) عثمان غنی عادل انصاری کمپیوٹر جہانا گنج
پہلا ایڈیشن:	ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ مطابق مارچ ۲۰۱۳ء
تعداد:	گیارہ سو
صفحات:	۶۴
طباعت:	بھارت پریس دہلی
قیمت:	چالیس روپئے

ملنے کا پتہ

مکتبہ صداقت نوادہ، مبارکپور، اعظم گڑھ (یوپی)

پن کوڈ ۲۷۶۴۰۱ ۔ موبائل نمبر ۹۴۵۲۳۴۱۳۲۰

فہرست مضامین



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

”مشہورِ زمانہ“
یا
”عبرت کا نمونہ“

نماز کے موضوع پر غیر مقلد حضرات کی ایک بہت معروف کتاب ہے ”صلوٰۃ الرسول“، جسے یہ لوگ ”مشہورِ زمانہ کتاب“ قرار دیتے ہیں۔ (القول المقبول ص ۹)

غیر مقلد عالم حکیم محمد صادق سیالکوٹی کی لکھی ہوئی اس کتاب کا مقصد ہے کہ وہ سب کو غیر مقلدین کی نماز سکھادیں، لیکن اس کوشش میں انہوں نے کیا کیا حرکتیں جان بوجھ کر کی ہیں، اور کتنی حرکتیں ان سے سرزد ہوگئی ہیں وہ اس ”مشہورِ زمانہ کتاب“ کے لئے عبرت سے کم نہیں۔

نماز سکھانے کی کتاب کا ایک انداز یہ ہے کہ مصنف جس طریقہ کو راجح سمجھتا ہے اُسے بے کم وکاست دلائل کے ساتھ پیش کردے، دوسروں کی نماز پر تبصرہ کرکے، انہیں غلط اور خود کو صحیح ثابت نہ کرے۔

یہ طریقہ یقیناً نماز سکھانا کہا جائے گا، اور مصنف کو مخلص قرار دیا جائے گا۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ نماز سکھانے کی ایسی کتاب لکھے جس کے ذریعہ اپنی نماز کو صحیح، دوسروں کی نماز کو غلط ثابت کرے، دوسروں کو اپنے مسلک پر آنے کی دعوت دے، اور اس کے لئے ہر قسم کا جائز و ناجائز ہتھکنڈا استعمال کرے، دوسروں کی عبارتوں میں کتر بیونت کرے، ان کی عبارتوں کے مفہوم کو خلط ملط کرے، سیاق و سباق سے جدا کر کے اپنے مفیدِ مطلب بنانے کی کوشش کرے، اپنے فائدے کے لئے ہر قسم کی حدیثوں کو لائق استناد سمجھے، دوسروں کی قوی احادیث کو ضعیف و ناقابلِ اعتبار ثابت کرنے کے درپے ہو۔

کیا نماز سکھانے کی ایسی کتاب لکھنے والا نماز سکھانے میں مخلص قرار دیا جا سکتا ہے؟

''صلوٰۃ الرسول'' پر جن رسائل و جرائد کا تبصرہ خود ''صلوٰۃ الرسول'' میں، مصنف نے شاملِ کتاب کیا ہے، ان میں سے ایک ماہنامہ فاران کراچی کا بھی تبصرہ ہے، مشہور ادیب و شاعر علامہ ماہر القادریؒ لکھتے ہیں

> ''اپنے موضوع پر اتنی جامع اور مکمل یہ پہلی کتاب نظر سے گزری ہے، حکیم مولانا محمد صادق صاحب اہلحدیث مسلک رکھتے ہیں، اس لئے مسائل میں اس مسلک کی زیادہ ترجمانی کی گئی ہے''۔ (صلوٰۃ الرسول ص ۱۳)

مسلک کی ترجمانی میں حرج نہیں تھا، حرج یہ ہو گیا ہے کہ انہوں نے لکھی ہی اس انداز میں کہ سب کو غیر مقلدین کی نماز پڑھوائیں، اور جو غیر مقلدین کی نماز نہ پڑھے اسے نمازی ہی نہ مانیں۔

ماہر القادریؒ صاحب چند سطروں کے بعد پھر لکھتے ہیں

> ''اہلحدیث کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ قیاس و اجتہاد کے مقابلے میں اصل حدیث کے ظاہری معنیٰ کو ترجیح دیتے ہیں، احناف اپنے مسلک کو زیادہ صحیح اور اقرب الی السنہ سمجھتے ہیں، تو ان کو چاہئے کہ ''صلوٰۃ الرسول'' جیسی سنجیدہ اور متاثر کرنے والی کتابوں کو پڑھ کر اپنے مسلک کے مطابق پڑھی جانے والی نماز پر صحیح

حدیثوں سے دلیلیں لائیں'' (صلوٰۃ الرسول ص ۱۴)

ہم ماہر القادریؒ صاحب کی مذکورہ بالا عبارت پڑھ کر سخت حیرت زدہ ہیں، ایسا لگتا ہے کہ انہوں نے احناف کے دلائل کا مطالعہ ہی نہیں کیا تھا، اور ''صلوٰۃ الرسول'' کا بھی گہرائی سے مطالعہ کئے بغیر، تبصرہ لکھ دیا۔

آج اگر وہ زندہ ہوتے تو دیکھتے کہ جب ''صلوٰۃ الرسول'' کا گہرائی سے جائزہ لیا گیا تو ''القول المقبول'' جیسی کتاب سامنے آ گئی، جس نے اس کتاب کو کہیں کا نہیں رکھا، اور جب دوسروں کی پیش کردہ عبارتوں کی تحقیق وتفتیش کی گئی تو ''سنجیدگی'' ''مکاری'' کا لبادہ اوڑھے نظر آئی، اور ''جامع ومدلل کتاب'' کا کیا حشر ہوا، سب کے سامنے ہے۔

تنبیہ

''صلوٰۃ الرسول'' الگ سے بھی چھپی ہے اور وہی زیادہ ملتی ہے، اور ''القول المقبول فی تخریج وتعلیق صلوٰۃ الرسول'' کے ساتھ بھی چھپی ہوئی ہے، ہمارے پاس دونوں کتابیں ہیں اور دونوں سے ہی حوالے درج کئے ہیں، زیادہ تر ''صلوٰۃ الرسول'' الگ والی سے، اور کہیں کہیں ''القول المقبول'' کے ساتھ والی سے، حوالے ملاتے وقت قارئین اس کا دھیان رکھیں۔



غیر مقلدین کی مشہور کتاب

صَلٰوۃُ الرَّسُوْلُ

میں

ضعیف احادیث، بے احتیاطیاں اور غلط مسائل

ایک اہلِ حدیث عالم کی تخریج وتعلیق کی روشنی

''صلوٰۃ الرسول'' کا تعارف

''صلوٰۃ الرسول'' اہلِ حدیث حضرات کی ایک مقبولِ عام اور متداول کتاب ہے، عوام تو عوام خواص کو بھی اس پر بڑا بھروسہ ہے، علماء اور طلبہ سبھی اس پر اعتماد کرتے ہیں، اہلِ حدیث حضرات کا شاید ہی کوئی گھر ہو جو اس سے خالی ہو۔ کتاب کی اہمیت کے

پیشِ نظر اہلِ حدیث حضرات کے سب سے بڑے ادارہ جامعہ سلفیہ بنارس نے یہ کتاب ہندی اور انگریزی میں چھپوادی ہے، اہلِ حدیث حضرات کے نزدیک یہ کتاب نماز کے موضوع پر ایک جامع اور مدلل کتاب کی حیثیت رکھتی ہے، ان کے خیال میں یہ کتاب ایک بے نظیر کتاب ہے، یہ کتاب اہلِ حدیث حضرات کے کتب خانوں میں بکثرت چھپتی اور فروخت ہوتی ہے (۱)

کتاب کے مصنف مولانا حکیم محمد صادق سیالکوٹی ہیں۔

قارئین کرام! جس کتاب کی اہلِ حدیث حلقوں میں اس قدر اہمیت ہو، اُسے یقیناً ایک بے نظیر کتاب ہونا چاہئے، علم وتحقیق کے اعلیٰ معیار پر ہونا چاہئے۔

مگر افسوس کہ یہ کتاب ان خوبیوں سے خالی ہے اور علم وتحقیق کے اعتبار سے نہایت پست سطح رکھتی ہے، اس کتاب میں ضعیف احادیث، بے احتیاطیوں اور غلط مسائل کی بھرمار ہے۔ ان سب باتوں کے باوجود اگر اس کتاب کی وہی اہمیت ہے جو مذکورہ بالا سطور میں اہلِ حدیث علماء کے قلم سے ظاہر ہوئی ہے اور ہمارے علم وتحقیق کے مطابق صحیح بھی ہے، تو نہایت حیرت ناک اور تعجب خیز معاملہ ہے۔ اور ہم یہ سمجھنے پر مجبور ہیں کہ مسائلِ نماز اور اس کے متعلقات پر اہلِ حدیث حضرات کے علم وتحقیق کا معیار اسی طرح سطحی ہے، جس کا نمونہ "صلوٰۃ الرسول" ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مؤلفِ کتاب حکیم محمد صادق صاحب سیالکوٹی کوئی بہت علمی آدمی نہ تھے، ہاں! مقامی اخبارات میں دینی مضامین لکھتے رہتے تھے جس سے انہیں یک گونہ شہرت حاصل ہوگئی تھی (۲)، ورنہ ایسا نہیں تھا کہ دینی علوم فنون میں انہیں کوئی بلند مقام

---

(۱) مذکورہ ساری باتیں "القول المقبول فی تخریج وتعلیق صلوٰۃ الرسول" ص ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳ سے ماخوذ ہیں۔ (۲) دیکھئے "صلوٰۃ الرسول" میں شائع شدہ اخبارات ورسائل کے تبصرے، خصوصاً روزنامہ "احسان" لاہور کا تبصرہ۔

حاصل رہا ہو۔

ظاہر ہے کہ ایسا شخص اگر نماز جیسی اہم عبادت، اس کے طریقے، اس کے مسائل ومتعلقات پر علمی انداز میں کتاب لکھنے کی کوشش کرے گا تو غلطیاں ہونا اور خامیاں رہ جانا لازمی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ یہ کتاب بے احتیاطیوں، غلط مسائل اور احادیثِ ضعیفہ اور موضوعہ کا معجون مرکب بن گئی ہے۔ خاص طور سے کتاب کا وہ حصہ جہاں مؤلف نے احناف کو اہلِ حدیث بنانے اور اپنے مسلک پر لانے کے لئے دین کے نام پر لفاظی کا سہارا لیا ہے۔ اگر ہم "صلوٰۃ الرسول" کی خامیاں اور غلطیاں اجاگر کرتے، تو اسے عصبیت پر محمول کیا جاسکتا تھا، لیکن لطف کی بات یہ ہے کہ ایک اہلِ حدیث عالم نے ہی اس کی احادیث کی تخریج وتعلیق کے ذریعہ یہ سارے رازہائے سربستہ واشگاف کئے ہیں۔

کتاب کا نام ہے "**القول المقبول فی تخریج وتعلیق صلوٰۃ الرسول**" مصنف کا نام ہے "ابو عبدالسلام عبدالرؤف بن عبدالحنان" اس وقت ہمارے سامنے کتاب کا جو نسخہ ہے وہ "مرکزی مکتبہ اہلِ حدیث صدر بازار مئو" کا شائع کردہ ہے۔ اور ۲۰×۳۰ سائز کے ۸۰۹ صفحات پر مشتمل ہے۔ ہماری اگلی گفتگو اسی کتاب کی روشنی میں ہوگی۔

"القول المقبول" کے اہلِ حدیث مصنف نے پہلے تو "صلوٰۃ الرسول" اور اس کے مصنف کی خوب تعریف کی ہے، پھر لکھتے ہیں: "مگر بقول شخصے **أبی الله الا ان یصح کتابه** کے مطابق اس میں بعض خامیاں تھیں جن کا ازالہ ضروری تھا۔" (ص ۱۱)

دوسری جگہ لکھتے ہیں

> "یہاں (۱) قیام کے کچھ عرصہ بعد کسی مناسبت سے مجھے یہ کتاب (صلوٰۃ الرسول) دیکھنا پڑی، اس کے بعض مقامات پر نظر ڈالنے سے مجھے اس میں بعض

---

(۱) متحدہ عرب امارات، جیسا کہ کتاب میں لکھا ہوا ہے۔

خامیاں اور کمزوریاں (جن کی تفصیل عنقریب آرہی ہے) نظر آئیں، یہ دیکھ کر میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ کیوں نہ اس کتاب کی احادیث کی تخریج اور اس کے بعض مقامات پر تعلیقات لگا کر ممکن حد تک اس کی موجودہ کمزوریاں اور خامیاں دور کردی جائیں۔" (ص ۱۲)

بعض کمزوریاں اور خامیاں

اس عنوان کے تحت "القول المقبول" کے مصنف لکھتے ہیں:

"اس کتاب پر تخریج وتعلیق کا کام کرنے سے پہلے اور اس کے دوران اس کی جو کمزوریاں اور خامیاں میرے سامنے آئیں وہ مختلف نوعیت کی ہیں، جن کی اپنے اپنے مقامات پر نشان دہی کردی گئی ہے، یہاں مثال کے طور پر ان میں سے بعض کمزوریوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔" (ص ۱۳)

پھر انہوں نے درج ذیل چار عنوانات قائم کر کے "صلوٰۃ الرسول" کے مؤلف کی فروگزاشتوں کے نمونے دیئے ہیں۔ (۱) بعض مسائل میں عدمِ تحقیق، (۲) ضعیف احادیث، (۳) احادیث کی تخریج میں اَوہام، (۴) بعض احادیث کی تخریج میں کوتاہی۔ آیئے! ان چاروں باتوں کی کچھ تفصیل "القول المقبول" کے مصنف کی زبانی سنیں۔

بعض مسائل میں عدمِ تحقیق

اس عنوان کے تحت "القول المقبول" کے مصنف لکھتے ہیں:

"مؤلفؒ نے بعض مسائل میں تحقیق کا التزام نہیں کیا ہے، یہی وجہ ہے کہ کچھ مسائل میں ان سے عجیب سا تساہل ہوا ہے۔ علیٰ سبیل المثال، اس کتاب کا پہلا مسئلہ ہی لیجئے، یہ مسئلہ وقوعِ نجاست سے پانی کی طہارت اور عدمِ طہارت کا ہے، مؤلف موصوف نے اس کے لئے "بلوغ المرام" سے ابن ماجہ کی درج ذیل حدیث نقل کی

ہے، ان الماء لا ینجسه شئ الا غلب علی ریحه وطعمه ولونه.

اس حدیث کا ترجمہ انہوں نے یوں کیا ہے:

''حضور فرماتے ہیں کہ اگر (نجاست کے گرنے سے) پانی سے بدبو آنے لگے یا اس کا مزہ بگڑ جائے یا رنگ تبدیل ہو جائے (یعنی تینوں وصف پانی میں اکٹھے پائے جائیں) تو وہ پانی ناپاک ہو جاتا ہے، دیکھیں اس کتاب کی حدیث ۱۶، اور اصل کتاب کا صفحہ ۵۳، (۱)''

اس مقام پر ان کا یہ کہنا (یعنی تینوں وصف پانی میں اکٹھے پائے جائیں) صحیح نہیں، کیوں کہ ایک وصف ہی سے پانی بالا جماع ناپاک ہو جاتا ہے۔ (القول المقبول ص ۱۴)

یوں سمجھئے کہ ''صلوٰۃ الرسول'' نامی کتاب کی بسم اللہ ہی غلط ہو گئی، پہلا ہی مسئلہ اجماع کے خلاف لکھ دیا۔

ضعیف احادیث:

''صلوٰۃ الرسول'' میں ضعیف احادیث بھی بہت ہیں ''القول المقبول'' کے مصنف لکھتے ہیں:

''مؤلف ؒ نے اس کتاب میں متعدد ضعیف احادیث بھی ذکر کر دی ہیں''۔

چند سطور کے بعد پھر لکھتے ہیں:

''تاہم اس مقام پر جو بات قابلِ مواخذہ ہے وہ یہ ہے کہ ان ضعیف احادیث میں سے بعض ایسی احادیث بھی ہیں جن کے ضعیف ہونے کی صراحت خود ان کتب میں موجود ہے جن کے حوالے سے ان کو ذکر کیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہوں درج ذیل حدیثیں: ''۱۶، ۸۸، ۹۵، ۱۱۰، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۴، ۲۴۸، ۲۵۷۔ لیکن موصوف نے ان کو ذکر کرتے وقت ان کے ضعف کی طرف اشارہ تک بھی نہیں کیا، اور یہ محققین کے نزدیک

(۱) راقم الحروف کے پاس ''صلوٰۃ الرسول'' کا جو نسخہ موجود ہے اس میں ص ۵۲ پر یہ عبارت ہے۔

جائز نہیں، بلکہ امام مسلمؒ نے تو ضعیف کے ضعف کو جاننے کے باوجود بیان نہ کرنے والے بارے میں سخت الفاظ استعمال کیے ہیں۔" (القول المقبول ص ۱۴، ۱۵)

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

"اگر کوئی حدیث ضعیف ہو تو اسے بیان کرتے وقت یہ بتانا ضروری ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے، اگر کوئی شخص اس کے ضعف کو جاننے کے باوجود بیان نہیں کرتا ہے تو وہ امام مسلمؒ کے فرمان کے مطابق گنہگار اور عوام الناس کو دھوکہ دینے والا ہے اور دھوکہ دینے والے کے متعلق حدیث میں سخت وعید آئی ہے، چنانچہ صحیح حدیث میں ہے۔۔۔۔من غشنا فلیس منا (ص ۳۶)

ص ۳۸ پر موصوف نے امام مسلم کی پوری عبارت مقدمہ مسلم ۱/ ۱۲۴ کے حوالے سے نقل کی ہے اور اس کا ترجمہ بھی کر دیا ہے۔

مذکورہ تفصیلات سے پتہ چلا کہ "القول المقبول" کے مصنف کے مطابق "صلوٰۃ الرسول" کے مؤلف عوام الناس کو دھوکہ دینے کے مرتکب ہوئے ہیں۔

اہلِ حدیث علماء، حدیث کی چھان بین نہیں کرتے

اس ضمن میں "القول المقبول" کے مصنف بناتے ہیں کہ اہلِ حدیث علماء کا عام طریقہ یہی ہے کہ وہ حدیث کی صحت وضعف معلوم کرنے کے بارے میں تحقیق اور چھان بین نہیں کرتے، بلکہ اگر انہیں کسی حدیث کا ضعیف ہونا بتا بھی دیا جائے تو وہ اسے قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔

چنانچہ حدیث کے معاملہ میں صحابہ، تابعین اور ائمہ مسلمین کی چھان بین اور احتیاط کی چند مثالیں دینے کے بعد لکھتے ہیں:

"مگر ہمارا معاملہ ان کے بالکل برعکس ہے، ہم کسی حدیث کی صحت اور ضعف معلوم کرنے کے بارے میں تحقیق اور چھان بین تو کیا کریں گے، بلکہ ہم تو اس معاملہ میں اس

قدر تنزل اور انحطاط کا شکار ہو چکے ہیں کہ اگر ہمیں یہ بتا بھی دیا جائے کہ یہ حدیث صحیح نہیں، بلکہ ضعیف ہے، تو ہم اس بات کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔

اس سلسلے میں بعض واقعات پیش بھی آئے اور بعض واقعات سننے میں بھی آئے۔" (ص ۳۴)

پھر "پہلا واقعہ" کے عنوان سے لکھتے ہیں کہ

یہ واقعہ میں نے ایک فاضل دوست سے سنا ہے کہ کسی مجلس میں ایک مولانا نے ایک حدیث بیان کی، حاضرینِ مجلس میں سے کسی صاحب نے کہا، مولانا! یہ حدیث ضعیف ہے۔ مولانا کو ان صاحب کا شکریہ ادا کرنا چاہئے تھا، مگر ہوا یہ کہ مولانا نے ایسا غیر معمولی جواب دیا جسے ذکر کرتے ہوئے مصنف کو شرم محسوس ہوتی ہے، انہوں نے کہا "نحن اهل الحديث ولسنا اهل بعض الحديث" (ہم اہلِ حدیث ہیں، ہم بعض حدیث کے اہلِ حدیث نہیں ہیں۔) (القول المقبول ص ۳۴، ۳۵)

مصنف کی مذکورہ بالا باتیں ہمارے بھی تجربہ میں آئی ہیں، حقیقت یہ ہے کہ اہلِ حدیث حضرات، احناف کی مستدل احادیث کی خوب چھان بین اور تحقیق کرتے ہیں اور انہیں زبردستی ضعیف ثابت کرنے کا شوق پورا کرتے ہیں، لیکن اگر انہیں ان کی اپنی مستدل احادیث کا ضعف بلکہ موضوع ہونا بتایا جائے تو تسلیم نہیں کرتے، بلکہ ضد پر آجاتے ہیں۔

اس وقت ان کا انداز کچھ اسی طرز کا غماز ہوتا ہے

نحن اهل الحديث ولسنا اهل بعض الحديث.	ہم اہلِ حدیث ہیں، ہم بعض حدیث کے اہلِ حدیث نہیں ہیں

احادیث کی تخریج میں اوہام

"القول المقبول" کے مصنف لکھتے ہیں:

"کئی احادیث ایسی بھی ہیں جن کی نسبت کرنے میں مؤلف کو وہم ہوا ہے۔ مثال کے طور پر انہوں نے "نماز کے لامثال محاسن" عنوان کے تحت چوبیس احادیث ذکر

کی ہیں اور ان کو ذکر کرنے سے قبل کہا ہے ''نماز کی خوبیوں، اچھائیوں، برکتوں، رحمتوں اور فائدوں کو شمار نہیں کیا جاسکتا۔ صحاحِ ستہ سے ہم اختصار کے ساتھ اس کے مزید محاسن بیان کرتے ہیں۔ اس کے بعد چوبیس محاسن ذکر کر کے یوں حوالہ دیا ہے'' انتخاب از صحاح'' ''صحاح' سے ان کی مراد صحاحِ ستہ ہے، جیسا کہ انہوں نے شروع میں صراحت کی ہے، مگر ان چوبیس احادیث میں سے چودہ احادیث ایسی ہیں جو صحاح ستہ میں نہیں ہیں، بلکہ دوسری کتب میں ہیں۔ دیکھئے درج ذیل نمبر: ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۸، ۱۸۰'' (القول المقبول ص ۱۵)

گویا ''صلوٰۃ الرسول'' کے مؤلف حکیم صادق صاحب نے اپنی کتاب کے پڑھنے والوں کو غلط فہمی میں ڈالا۔ ظاہر یہ کیا کہ ہم چوبیس کی چوبیس احادیث، صحاحِ ستہ سے نقل کر رہے ہیں، جبکہ ان میں سے اکثر یعنی چودہ صحاحِ ستہ میں موجود نہیں، صرف دس صحاح ستہ کی تھیں، بقیہ صحاح ستہ کے علاوہ دوسری کتاب کی تھیں۔

حکیم صادق کی پہونچ ''مشکوٰۃ'' اور ''بلوغ المرام'' تک

اصل معاملہ یہ ہے کہ ''صلوٰۃ الرسول'' کے مؤلف حکیم صادق صاحب سیالکوٹی کی پہونچ ''مشکوٰۃ'' اور ''بلوغ المرام'' تک ہی تھی۔ وہ براہِ راست صحاح ستہ کا حوالہ کیسے دیتے، جہاں انہوں نے صحاح ستہ کا حوالہ دیا بھی تو مشکوٰۃ اور بلوغ المرام کے ذریعہ ہی دیا۔ ان کی پہونچ اصل بخاری، اصل مسلم، اصل ابوداؤد، اصل ترمذی، اصل نسائی، اصل ابن ماجہ تک نہیں تھی۔

القول المقبول کے مصنف ''بعض احادیث کی تخریج میں کوتاہی'' کے عنوان کے تحت حکیم صادق کے متعلق ایک جگہ لکھتے ہیں:

''انہوں نے ''صلوٰۃ الرسول'' کی تالیف میں زیادہ تر اعتماد مشکوٰۃ اور بلوغ المرام ہی پر کیا ہے'' (القول ص ۱۶)

ایک دوسری جگہ مذکورہ بالا عبارت سے چند سطور قبل کہتے ہیں:

''یہ کمزوری صرف اسی کتاب کی نہیں ہے بلکہ ہماری اکثر کتابوں کا یہی المیہ ہے کہ ان میں تخریج حدیث کے لئے مشکوٰۃ، بلوغ المرام اور ترغیب وترہیب وغیرہ کے حوالے دیئے جاتے ہیں، جب کہ ان کتب کی طرف کسی حدیث کو منسوب کرنا اس حدیث کی تخریج نہیں ہے۔'' (کتاب مذکور ص۱۶)

گویا بخاری و مسلم کی رٹ لگانے والے، صحاح ستہ کا حوالہ مانگنے والے اصل بخاری و مسلم اور اصل صحاح ستہ عربی والی کو ہاتھ بھی نہیں لگاتے، یا تو ترجموں پر بھروسہ کرتے ہیں یا دوسری کتابوں سے صحاح ستہ کے حوالے دیتے ہیں۔

القول المقبول کے مصنف اس کا دکھڑا روتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ان کے مسلک والوں میں ''اکثر و بیشتر مشکوٰۃ وغیرہ کے حوالوں پر ہی اکتفا کر لیا جاتا ہے۔'' (ص۱۷)

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

''مگر ہمارا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے، ہمارے یہاں'' مشکوٰۃ، بلوغ المرام، ترغیب وترہیب وغیرہ کے حوالے دیئے جاتے ہیں، بلکہ اس سے بڑھ کر کمزوری یہ ہے کہ مثلاً حدیث تو المنتقیٰ لابی البرکات ابن تیمیہ میں ہوگی مگر حوالہ دیتے وقت نیل الاوطار کا حوالہ دیا جاتا ہے۔'' (ص۱۷)

قارئین کرام! گزشتہ سطور میں ''القول المقبول'' کی روشنی میں ''صلوٰۃ الرسول'' کے مندرجات کا اجمالی جائزہ لیا گیا ہے تفصیلی جائزہ اس سے بھی زیادہ دلچسپ اور عبرت ناک ہے۔



حدیث کے ترجمے میں فریب

"صلوٰۃ الرسول" کے مصنف حکیم محمد صادق سیالکوٹی نے اپنی اس کتاب میں احادیث کے ترجموں میں جو فریب یا مغالطے دیئے ہیں، ان کی چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

پہلی مثال: "بعینہٖ" حضورؐ کی نماز؟

بخاری کی ایک حدیث ہے صَلُّوْا کَمَا رَأَیْتُمُوْنِیْ اُصَلِّیْ۔ حکیم محمد صادق نے "صلوٰۃ الرسول" کے صفحہ ۱۳۱ پر یہ حدیث نقل کر کے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے

"تم (بعینہٖ(۱) اسی طرح) نماز پڑھو جس طرح تم نے مجھ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے"۔

یہی حدیث صفحہ ۱۷۸ پر بھی نقل کی ہے تو اس کا ترجمہ یوں کیا ہے

"نماز پڑھو (اسی طرح) جس طرح تم مجھے پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو"۔

یہی حدیث صفحہ ۱۸۹ پر بھی درج کی ہے، وہاں اس کا ترجمہ یوں کیا ہے

"پڑھو نماز (اے میری امت) جس طرح دیکھتے ہو تم کہ میں نماز پڑھتا ہوں"۔

پہلے والے ترجمے کا "بعینہٖ" دوسرے اور تیسرے ترجمے میں موجود نہیں ہے، اب پتہ نہیں "بعینہٖ" والا ترجمہ صحیح ہے یا اس کے بغیر والا، یہ تو غیر مقلد علماء ہی بتا سکتے ہیں، دوم یہ کہ

---

(۱) حکیم صادق صاحب نے ترجمہ میں جو الفاظ بریکٹ میں لکھے ہیں، ہم نے بھی انہیں جوں کا توں نقل کر دیا ہے، نقل میں ذرہ برابر کوئی ترمیم نہیں کی، قارئین ہر جگہ اس بات کو ذہن میں رکھیں گے، ایسا نہیں ہے کہ بریکٹ کی عبارت ہماری ہو۔

کیا امتی کے لئے ممکن ہے کہ وہ ''بعینہٖ'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والی نماز پڑھ سکے، کیا یہ تکلیف مالا یطاق نہیں ہے؟

دوسری مثال: ''سنت'' کا ترجمہ ''حدیث''؟

سنت اور حدیث میں ایک باریک معنوی فرق ہے، پڑھے لکھے تو جانتے ہی ہیں، عام لوگ بھی جانتے ہیں، سنت کی تعریف ہے

السنة الطریقة السلوکة فی الدین(۱) — دین میں چلا ہوا طریقہ

آگے تفصیل یہ ہے کہ

سواء سلکھا النبی صلی اللہ علیه وسلم او اصحابه.(۲) — خواہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر چلے ہوں یا آپ کے صحابہؓ۔

گویا دین کا رائج اور معمول بہا طریقہ سنت ہوا، اس سے معلوم ہوا کہ جس چیز کو سنت مان لیا گیا وہ منسوخ نہیں ہوسکتی، وہ ضعیف نہیں ہوسکتی، وہ موضوع اور گڑھی ہوئی نہیں ہوسکتی۔

جب کہ حدیث، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول و فعل کو کہتے ہیں جس کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی گئی ہو، یہ نسبت صحیح بھی ہوسکتی ہے، غلط بھی، اسی طرح صحیح ہوتے ہوئے منسوخ بھی ہوسکتی ہے۔ یہاں تک موضوع اور گڑھی حدیث کو بھی حدیث کہہ دیا جاتا ہے، اور جو ضعیف حدیث ہوتی ہے وہ تو حدیث کہلاتی ہی ہے۔(۳)

---

(۱) حسامی بحث الکتاب ص ۵۹ (۲) حاشیہ حسامی نمبر ۲ ص ۵۹ (۳) اب تک جو باتیں کہی گئی ہیں وہ احکامِ شریعت کے طرزِ استدلال اور اصولِ حدیث سے واقف شخص کے لئے کسی دلیل اور ثبوت کی محتاج نہیں، وہ بہت ہی واضح اور عام فہم ہیں، لیکن اگر کوئی اس کے لئے ثبوت و دلیل کی ضرورت محسوس کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ احکامِ شریعت تو درکنار، اصولِ حدیث سے بھی بالکل ناواقف ہے، جو ثبوت چاہتے ہوں وہ القول المقبول کے ص ۱۴ و ص ۱۵ کا مطالعہ کرلیں، مصنف نے ''صلوٰۃ الرسول'' کی جن احادیث کو حدیث مان کر بھی ضعیف کہہ دیا، انہیں ''سنت'' کہہ کر ''ضعیف'' نہیں کہہ سکتے تھے۔

گویا، موضوع، منسوخ اور ضعیف، سب کا تعلق حدیث سے ہے، سنت سے اس میں سے کسی کا تعلق نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی سنت اور خلفائے راشدین کی سنت کو لازم پکڑنے کا حکم دیا ہے، ہماری کوتاہ نگاہ میں ایسی کوئی حدیث نہیں جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا ہو یا اس بات کی تاکید کی ہو کہ میری حدیث کو لازم پکڑو، یعنی ''سنت'' کے بجائے لفظ ''حدیث'' کے ساتھ کوئی حدیث ہماری نظر سے نہیں گزری۔(۱)

اس تفصیل کے بعد عرض ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جن ارشادات میں ''سنت'' کا لفظ آیا ہو اس کا ترجمہ ''حدیث'' سے کرنا، مناسب نہیں، ''سنت'' کا ترجمہ، سنت ہی کرنا چاہئے نہ کہ حدیث۔

اب دیکھئے! حکیم صادق صاحب کیا کر رہے ہیں

مؤطا امام مالک کی یہ روایت نقل کرتے ہیں **ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بھا کتاب اللہ وسنۃ رسولہ**. اور ترجمہ یہ کرتے ہیں

> ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تمہیں دو چیزیں ایسی دے چلا ہوں کہ جب تک تم انہیں مضبوطی سے پکڑے رہو گے ہرگز ہرگز گمراہ نہ ہوگے، ایک قرآن مجید، اور دوسری حدیث شریف''۔(ص ۴۵)

سنۃ رسولہ کا ترجمہ انہوں نے'' حدیث شریف'' کیا ہے جو بالکل غلط ہے، ترجمہ کرنا چاہئے'' اللہ کے رسول کی سنت''۔

اسی طرح ص ۴۶ پر ایک حدیث نقل کرتے ہیں **من تمسک بسنتی عند فساد امتی فلہ مائۃ شھید** اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں

> ''میری امت کے فتنہ وفساد کے وقت جس شخص نے میری سنت کو مضبوط پکڑا اس

---

(۱) اگر کسی صاحب کے علم میں ہو تو مطلع کریں۔

کے لئے سوشہیدوں کا ثواب ہے"

ترجمہ تو صحیح ہے مگر مطلب بتاتے ہوئے انہوں نے مغالطہ دیا ہے، وہ کہتے ہیں

"ایسے پُرفتن وقت میں جو میری سنت، یا حدیث کو ترک نہ کرے گا، بلکہ مضبوطی سے اس پر جم کر عمل کرے گا تو خدا اس کو ایسے نازک دور میں عمل بالحدیث کے سبب سوشہیدوں کا ثواب دے گا"۔ ص ۴۷

یہاں پر سنت پر عمل کرنے اور سنت کو نہ چھوڑنے کی بات ہے، مگر حکیم صادق صاحب نے حدیث پر عمل اور حدیث نہ چھوڑنے کی بات لکھدی، اور سوشہیدوں کا ثواب سنت پر عمل کرنے کی وجہ سے ملے گا، نہ کہ عمل بالحدیث کی وجہ سے، "سنت" کی جگہ "حدیث" کا لفظ لانا مغالطہ پیدا کرتا ہے۔

تیسری مثال: "پکار" کس لفظ کا ترجمہ؟

"صلوٰۃ الرسول" کے ص ۱۹۴ پر حکیم صادق صاحب ایک عنوان قائم کرتے ہیں، "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آمین پکار کر کہی"۔

اس کے بعد ایک حدیث نقل کرتے ہیں

عن وائل بن حجر قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم قرأ غير المغضوب عليهم ولا الضالين فقال آمين بها مدّ صوته۔

پھر اس کا ترجمہ انہوں نے یوں کیا

"وائل بن حجر روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں نے سنا رسول اللہؐ نے پڑھا غیر المغضوب علیھم ولا الضالین. پھر کہا آمین (اور) دراز کی اسی کے ساتھ آواز اپنی"۔

غور کیجیئے! کیا "آواز دراز کرنے کو"، "پکار کر" کہنا کہا جائے گا؟ کیا اس حدیث کی بنیاد پر یہ عنوان لگانا صحیح ہے کہ

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آمین پکار کر کہی''

چوتھی مثال: ترجمہ میں ''اونچی'' کا اضافہ

ص ۱۹۷ پر ایک حدیث نقل کرتے ہیں

عن ابن عباس قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ما حسدتکم الیہود علی شئ ما حسدتکم علی آمین فاکثروا من قول آمین.

پھر اس کا ترجمہ ان الفاظ میں کرتے ہیں

''حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس قدر یہود آمین (اونچی) سے چڑتے ہیں اتنا کسی اور چیز سے نہیں، پس تم بہت آمین کہنا''۔

غور کیجئے! ترجمہ میں حکیم صاحب نے بریکٹ میں ''اونچی'' کا لفظ بڑھا دیا ہے جبکہ حدیث میں کوئی ایسا لفظ نہیں جس کا ترجمہ ''اونچی'' ہو، حدیث صرف اتنا بتاتی ہے کہ یہود آمین سے حسد کرتے ہیں، اونچی نیچی کا کوئی تذکرہ نہیں، مگر حکیم صادق نے ترجمہ میں لفظ ''اونچی'' کا اضافہ کر دیا، یہی نہیں، بلکہ آگے یہ بھی لکھ دیا

''اگر کوئی اونچی آمین کہے تو رسول کریم کی اس سنت پاک سے ہرگز نہ چڑنا، اور نہ نفرت کرنا، کیونکہ آمین اونچی سے یہودیوں کو چڑتھی''۔(ص ۱۹۸)

سوچئے! حدیث کا ترجمہ اور مطلب بیان کرتے ہوئے کس قدر بددیانتی کی گئی، اور ہر جگہ ''اونچی'' کا لفظ بڑھا کر اپنے جس خفیہ جذبے کو تسکین دی گئی ہے وہ بالکل ظاہر ہے۔

علاوہ ازیں، حدیث کے عربی الفاظ پر غور کیجئے! اس میں ما حسدتکم دو جگہ آیا ہے، اس کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ ''یہود جتنا آمین کے معاملے میں تم پر حسد کرتے ہیں، اتنا کسی اور چیز پر حسد نہیں کرتے''۔ حکیم صادق نے ''حسد'' کو ''چڑ'' سے بدل دیا۔ سوچئے! کیا

حسد اور چڑ ایک چیز ہے؟

یہ حدیث ابن ماجہ ص ٦٢ کی ہے، اس حدیث سے پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے اسی مفہوم کی ایک اور حدیث بھی ہے اس کے الفاظ ہیں **ماحسدتکم الیهود علی شئ ماحسدتکم علی السلام والآمین.** یعنی ''یہود کو سلام اور آمین، دونوں پر حسد تھا۔ دونوں حدیثوں سے متعلق اسی صفحہ کے حاشیہ نمبر ۳ پر لکھا ہوا ہے کہ حسد کی وجہ یہ تھی کہ یہ دونوں کلمے یہود کو بھی پسند تھے، مگر وہ ان کلمات کو اس لئے نہیں کہتے تھے کہ کہیں مسلمانوں کی اقتداء اور پیروی نہ قرار دی جانے لگے۔ تو خود تو نہیں کہتے تھے، مگر مسلمانوں سے حسد رکھتے تھے۔

ویسے حکیم صادق صاحب نے ''صلوٰۃ الرسول'' میں یہ جو حدیث نقل کی ہے اس کے بارے میں القول المقبول کے غیر مقلد مصنف مولانا عبدالرؤف بن عبدالحنان کہتے ہیں

> ''اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس میں طلحہ بن عمر ہے جس کے ضعیف ہونے پر سب کا اتفاق ہے جیسا کہ بوصیری نے مصباح الزجاجہ (۱/۱۷۶، ۳۱۷) میں کہا ہے''۔ (القول المقبول ص ۳٦۵)

پانچویں مثال: امام محمدؒ پر افتراء

حکیم صادق صاحب صلوٰۃ الرسول ص ۲۴۱ پر ایک عنوان قائم کرتے ہیں

> ''سرتاج احناف حضرت امام محمدؒ کا نعرۂ حق رفع الیدین برحق''

پھر انہوں نے مؤطا امام محمد سے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی ایک حدیث نقل کی ہے اس کا ترجمہ لکھنے کے بعد لکھتے ہیں

> ''دیکھا آپ نے حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مایۂ ناز شاگرد حضرت امام محمدؒ نے حضورؐ کی صحیح حدیث اپنی کتاب مؤطا میں لاکر تسلیم کرلیا، کہ رفع الیدین ان کے نزدیک سنتِ صحیحہ ثابتہ ہے، اب تو برادرانِ احناف کو بھی یہ سنت اپنا لینی چاہئے''۔

یہاں حکیم صادق صاحب کی عقل ودانش پر سر دھنیں یا انہیں دیانت سے عاری اور افتراء پرواز قرار دیں؟

پوری مؤطا امام محمد کا یہی انداز ہے کہ امام محمد کو جو حدیثیں پہونچی ہیں، وہ انہوں نے نقل کردی ہیں، پھر جو حدیث یا حدیثیں ان کے نزدیک قابلِ ترجیح اور راجح نہیں، ان کو بھی انہوں نے لکھ دیا ہے اور مختلف احادیث کو سامنے رکھتے ہوئے جو ان کی رائے ہوتی ہے اسے بھی وہ لکھ دیتے ہیں۔

حکیم محمد صادق کو مؤطا امام محمد کی عبداللہ بن عمرؓ کی ص ۸۹ والی وہ روایت تو مل گئی جس کا انہوں نے بڑے بلند آہنگ طریقہ سے اوپر تذکرہ کیا ہے، مگر ص ۹۳ کی عبداللہ بن عمرؓ ہی کی یہ روایت نظر نہیں آئی

عن عبدالعزیز بن حکیم قال رأیت ابن عمر یرفع یدیه حذاء اذنیه فی اول تکبیرة افتتاح الصلوة ولم یرفعها سوٰی ذالك۔	عبدالعزیزؒ بن حکیم سے مروی ہے کہ میں نے عبداللہ بن عمرؓ کو دیکھا کہ وہ نماز کی شروع والی تکبیر میں اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے دونوں کانوں کی لو تک اٹھاتے ہیں، اس کے سوا انہوں نے دونوں ہاتھوں کو کہیں نہیں اٹھایا۔

مؤطا امام محمد کی ص ۸۹ والی روایت پر خوش ہو کر بغلیں بجانے والے حکیم صاحب کو اسی کے فوراً بعد والے ص ۹۰ پر امام محمدؒ کی یہ عبارت بھی نہیں دکھائی دی۔

قال محمد السنة ان یکبر الرجل فی صلاته کلما خفض وکلما رفع واذا انحط للسجود کبرَ واذا انحط للسجود الثانی کبر فاما رفع الیدین فی الصلوٰة فانه یرفع الیدین حذا الاذنین فی ابتداء الصلوٰة مرة	امام محمدؒ نے فرمایا سنت یہ ہے کہ آدمی اپنی نماز میں ہر اٹھتے بیٹھتے اللہ اکبر کہے، جب پہلے سجدہ میں جائے تو اللہ اکبر کہے، جب دوسرے سجدہ میں جائے تو اللہ اکبر کہے، اور جہاں تک نماز میں دونوں ہاتھوں کو اٹھانے کا تعلق ہے تو ابتداء نماز میں دونوں ہاتھوں کو دونوں کانوں

واحدة ثم لا يرفع في شئ من الصلوٰة بعد ذالك وهذا كله قول ابي حنيفة رحمه الله وفي ذالك اٰثار كثيرة.

کے مقابل اٹھائے ایک مرتبہ، پھر اس کے بعد نماز کے کسی مقام پر نہ اٹھائے، یہ سب امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے اور اس کے متعلق بہت سے آثار موجود ہیں۔

اس کے بعد امام محمدؒ نے آثار نقل کئے ہیں جن کا سلسلہ ص ۹۴ تک گیا ہے۔

ہر انصاف پسند خود ہی سمجھ سکتا ہے کہ امام محمد کا نعرۂ حق، رفع الیدین برحق ہونے کا ہے یا برحق نہ ہونے کا ہے۔ اور یہ کہ ''سنتِ صحیحہ ثابتہ رفع یدین ہے'' یا عدم رفع یدین۔

چھٹی مثال: ترجمہ بھی غلط، بددیانتی بھی

''صلوٰۃ الرسول'' میں ایک عنوان ہے

''درمختار کا فتویٰ''

پھر درمختار کے حوالے سے یہ عبارت درج ہے

فلا تفسد برفع يديه في تكبيرات الزوائد على المذهب وما روي عن الفساد فشاذ۔

(درمختار جلد اول)

حکیم صادق صاحب نے اس عبارت کا یوں ترجمہ کیا ہے

''جس نے کہا کہ رفع الیدین سے نماز میں نقصان آتا ہے، اس کا قول مردود ہے، اور رکوع میں جانے سے اور رکوع سے اٹھنے کے وقت رفع الیدین کرنے سے کچھ نقصان نہیں ہے''۔ (درمختار)

ہم کہتے ہیں مذکورہ عبارت کا یہ ترجمہ بالکل غلط ہے، ترجمہ یہ ہونا چاہئے

''**تکبیراتِ زوائد میں رفع یدین کرنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی**، اور جو نماز فاسد ہونے کی روایت ہے وہ شاذ ہے''

دوم یہ کہ عبارت میں ''شاذ'' ہے، مؤلف نے ترجمہ کیا ہے ''اس کا قول مردود ہے''، مؤلف

غالباً ''شاذ'' اور ''مردود'' کو ایک ہی سمجھتے ہیں۔

مزید یہ کہ درمختار کی اس عبارت کے تحت ردالمحتار میں یہ بھی لکھا ہوا ہے

(قولہٗ فلا تفسدالخ) تفریع علٰی اصح الاقوال خلافاً لما روي مکحول عن ابی حنیفة انه لو رفع یدیه عندالرکوع وعندالرفع منه تفسد لان المفسدانما هو العمل الکثیر وهو ما یظن أن فاعله لیس فی الصلوٰة وهٰذا الرفع لیس کذالك کذا فی الکافی نعم یکره لانه فعل زائد لیس من تمات الصلوٰةشرح المنیة وتسمیتها تکبیرات الزوائد خلاف المصطلح لأنها فی الاصطلاح تکبیرات العیدین (ردالمحتار علی الدرالمختار ۱/۴۶۲)

ماتن کا قول (نماز فاسد نہیں ہوتی) کئی اقوال میں سب سے زیادہ صحیح قول پر تفریع ہے، یہ قول، اس روایت کے خلاف ہے جو مکحولؒ نے امام ابوحنیفہؒ سے کی ہے کہ اگر رکوع میں جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کرے گا تو نماز فاسد ہوجائے گی، لیکن نماز فاسد نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ نماز کو فاسد کرنے والی چیز عملِ کثیر ہے، اور عملِ کثیر وہ ہوتا ہے، جس کے کرنے والے کو یہ سمجھا جائے کہ وہ نماز میں نہیں ہے، اور یہ رفع یدین اُس طرح کا نہیں ہے، لیکن یہ مکروہ ہوگا کیونکہ فعل زائد ہے، نماز کی تکمیلات میں سے نہیں ہے، اور ان تکبیرات کو تکبیراتِ زوائد کہنا، خلافِ اصطلاح ہے، کیونکہ اصطلاح میں تکبیراتِ زوائد، عیدین کی تکبیرات ہیں۔

غور کیجئے! حکیم صادق نے اِن ساری عبارتوں کو نظر انداز کردیا ہے، اور غلط سلط ترجمہ کرکے بتادیا کہ ''اس کا قول مردود ہے''۔ اور ''رفع الیدین سے کچھ نقصان نہیں ہے''، نماز فاسد نہ ہونا اور نماز میں کچھ نقصان نہ ہونا، دونوں، دو باتیں ہیں۔

عبارتِ مذکورہ تو بتاتی ہے کہ نماز مکروہ ہوگئی اور آپ کہتے ہیں کہ کچھ نقصان نہیں، نہ آپ کو ترجمہ کرنا آیا، نہ مطلب بتانا۔

ساتویں مثال: غنیۃ الطالبین کا حوالہ

''صلوٰۃ الرسول'' کے ص ۱۸۹ پر مؤلف لکھتے ہیں

''دیکھو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ مذکورہ حدیثوں کی تائید میں فرماتے ہیں وضع الیمین علی الشمال فوق السرۃ (میرے مریدو) دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر ناف کے اوپر (سینے پر) باندھو (غنیۃ الطالبین)

مؤلف نے جو عربی عبارت درج کی ہے اس میں دور دور تک اس کا نام ونشان نہیں ہے کہ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کسی حدیث کی تائید میں یہ عبارت لائے ہیں، دوم یہ کہ مؤلف کی بریکٹ والی دونوں جگہ کی عبارت ''اے میرے مریدو!'' اور ''سینے پر'' عربی عبارت کے کس لفظ کا ترجمہ ہے؟ سینے پر ہاتھ باندھنے کی تائید تو اس عبارت سے نہیں ہوتی، ہاں! ناف کے اوپر ہاتھ باندھنے کی تائید ہوتی ہے، ناف کے اوپر اور سینے پر، دونوں میں بہت فاصلہ ہے۔ ''اور باندھو'' کس لفظ کا ترجمہ ہے، ''باندھا جائے'' یا باندھو'' ؟ وُضِعَ کا ترجمہ کیا کیا جائے گا؟

یہ بھی یاد رہے کہ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ مسلکاً حنبلی تھے، لہٰذا ان کا قول احناف پر حجت کیسے ہوسکتا ہے، اور بیعت وارادت سے مسلک کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

آٹھویں مثال: ہدایہ کے حوالہ میں خیانت

''صلوٰۃ الرسول'' میں ص ۲۰۴ پر ایک عنوان ہے ''ہدایہ کی تائید'' اس کے تحت حکیم صادق لکھتے ہیں

''ہدایہ حنفیوں کی بہت مقبول اور بلند پایہ کتاب ہے، اس کی پہلی جلد فصل فی القرأۃ میں فاتحہ خلف الامام کے متعلق یہ فتویٰ ہے، یستحسن علیٰ سبیل الاحتیاط یعنی احتیاطاً سورۃ فاتحہ کا امام کے پیچھے پڑھ لینا ہی بہتر ہے''۔

ہم کو حکیم صادق صاحب کی اس بات پر تعجب ہوا۔ ہمیں یقین تھا کہ حکیم صادق صاحب نے اس میں کوئی نہ کوئی گل ضرور کھلایا ہے، ہدایہ دیکھی تو حکیم صادق صاحب کی خیانت و بد دیانتی کھل کر سامنے آ گئی۔

دیکھئے! ہدایہ کی عبارت اس طرح ہے

ویستحسن علی السبیل الاحتیاط فیما یروٰی عن محمد ویکرہ عندھما لما فیہ من الوعید (ہدایہ ج ۱ ص ۱۲۱)

امام محمدؒ سے مروی روایت میں، مقتدی کا قرأت کرنا مستحسن ہے، لیکن [redacted] امام ابوحنیفہ اور ابو یوسفؒ کے نزدیک مکروہ ہے، کیونکہ اس میں وعید ہے۔

غور کیجئے! کیا یہ قرأت خلف الامام کے متعلق فتویٰ ہے، یا امام محمدؒ سے مروی ایک قول ہے، اور اس میں امام ابوحنیفہؒ اور امام یوسفؒ کے مکروہ ہونے کا قول بھی اسی کے ساتھ موجود ہے، جسے حکیم صادق نے نقل نہیں کیا، اور فیما یروی عن محمد جو کہ ان کی نقل کردہ عبارت کا ہی جزو تھا، اسے بھی گول کر گئے، یہ سب اس غیر مقلد عالم کی بد دیانتی نہیں تو اور کیا ہے؟!۔

القول المقبول کے مصنف نے بھی تسلیم کیا ہے کہ یہ امام محمدؒ کا قول ہے، کسی کا کوئی فتویٰ نہیں ہے۔ (ص ۳۴۷)



حدیثوں کو لڑانے کا فن

مسائل پر گفتگو کرتے ہوئے اہل حق کا وطیرہ یہ تھا اور ہے کہ اگر مختلف حدیثیں ہوں تو ان میں تطبیق وترجیح کا طریقہ اختیار کیا جائے، لیکن اس کے برخلاف حکیم محمد صادق صاحب مختلف حدیثوں کو آپس میں لڑا دیتے ہیں اور تطبیق وترجیح کے اصول کو ہاتھ نہیں لگاتے۔

پہلی مثال: نماز پڑھنے کا صحیح قاعدہ؟

حکیم محمد صادق صاحب "صلوٰۃ الرسول" کے ص ۳۲ پر ایک عنوان قائم کرتے ہیں

"بے قاعدہ نماز، نماز نہیں ہوتی"

پھر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے بخاری ومسلم کی ایک حدیث نقل کرتے ہیں جس میں ایک ایسے شخص کا تذکرہ ہے جس نے جلدی جلدی نماز ادا کرلی تھی، اس حدیث کے ترجمے میں حکیم صاحب لکھتے ہیں

> "پس کہا اس شخص نے تیسری بار یا چوتھی بار نماز (بے قاعدہ) پڑھنے کے بعد۔ سکھاؤ مجھ کو (نماز پڑھنے کا صحیح قاعدہ) اے خدا کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پس فرمایا آپؐ نے جب تو نماز کے ارادے سے اٹھے تو پہلے خوب سنوار کر وضو کر، پھر قبلہ رخ کھڑے ہو کر تکبیر (تحریمہ) کہہ، پھر قرآن سے جو تجھے میسر ہو پڑھ، پھر رکوع کر یہاں تک کہ اطمینانِ خاطر سے رکوع کرے، الخ"۔

مؤلف کے کیئے ہوئے حدیث کے پورے ترجمے میں کہیں پر نہ سورۂ فاتحہ پڑھنے کا تذکرہ ہے، نہ رفع یدین کا، نہ زور سے آمین کہنے کا، مؤلف کے ہی بریکٹ والے جملہ کے

مطابق یہ ''نماز پڑھنے کا صحیح قاعدہ'' تھا، اس صحیح قاعدے میں سورۃ فاتحہ پڑھنے کے بجائے یہ جملہ ہے ''پھر قرآن سے جو تجھے میسر ہو پڑھو'' یہ حدیث کی عربی عبارت **ثم اقرء بماتیسر معك من القرآن** کا ترجمہ ہے، حدیث کے یہ الفاظ قرآن کے اِن الفاظ کے مماثل ہیں

فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ (مزمل آیت ۲۹) پس پڑھو، جو آسان ہو قرآن سے

ایک طرف اس حدیث کو دیکھئے! دوسری طرف مؤلف نے ص ۱۹۹ پر حدیث **لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب** نقل کر کے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے

''یعنی الحمد شریف پڑھنے کے بغیر کوئی نماز نہیں ہوتی (فرض ہو یا نفل ہو، نمازی امام ہو یا مقتدی ہو یا اکیلا)

بریکٹ کی عبارت ''فرض ہو، نفل ہو، نمازی امام ہو یا مقتدی ہو یا اکیلا'' حدیث کے عربی الفاظ میں کہیں پر بھی موجود نہیں۔ لیکن مؤلف نے اپنی طرف سے بڑھا دیا۔

ایک طرف اوپر والی بخاری و مسلم کی حدیث ہے جس میں ''پھر قرآن سے جو تجھے میسر ہو پڑھ'' کے الفاظ ہیں، دوسری طرف، مؤلف کا یہ اپنی طرف سے بڑھایا ہوا ترجمہ، بتائیے! یہ حدیثوں کو لڑانا ہوا یا نہیں؟

صحیح مفہوم یہ ہے کہ آیتِ قرآنی اور مذکورہ بالا حدیث کی بنا پر مطلق قرأتِ قرآن (خواہ سورۂ فاتحہ ہو یا کوئی سورہ یا آیات ورکوع) وہ فرض کہا جائے اور خاص سورۂ فاتحہ کو واجب، تاکہ سب میں تطبیق ہو جائے، نہ کسی کو چھوڑنا لازم آئے، نہ کسی کو لڑانا، احناف کا یہی طریقہ ہے۔

دوسری مثال: عورتوں اور مردوں کی نماز میں فرق ہے یا نہیں؟

''صلوٰۃ الرسول'' میں ص ۱۸۹ پر ایک عنوان ہے

"عورتوں اور مردوں کی نماز کے طریقہ میں کوئی فرق نہیں"

حکیم صادق اس عنوان کے بعد بخاری کی حدیث صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِیْ اُصَلِّیْ نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں

"یعنی ہو بہو میرے طریقے کے مطابق سب عورتیں اور سب مرد نماز پڑھیں۔

چند سطور کے بعد پھر لکھتے ہیں

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکور واناث کی نماز کے طریقہ میں کوئی فرق نہیں بتایا"۔

اسی کے معاً بعد "عورت کی امامت" کے عنوان سے لکھتے ہیں

"عورت" عورتوں کی امامت کرا سکتی ہے صف کے وسط میں کھڑی ہو کر"۔ (ص ۱۹۰)

دلیل میں مستدرک حاکم کی یہ روایت نقل کی ہے

"حضرت عائشہؓ عورتوں کی امامت کراتی تھیں اور صف کے بیچ میں کھڑی ہوتی تھیں"۔ (صفحہ مذکورہ)

غور کیجئے! یہ عورت اور مرد کی نماز کا فرق ہوا یا نہیں؟ مرد، امامت کرتے وقت صف کے آگے بڑھ کر کھڑا ہوتا ہے اور عورت صف کے بیچ میں کھڑی ہوتی ہے۔ بتایئے! صلوا کما رأیتمونی اصلی اور مستدرک حاکم کی اس روایت کو حکیم صادق نے لڑایا، یا نہیں؟ اور خود حکیم صادق کے ہی حوالے سے "ذکور واناث کی نماز کے طریقہ میں فرق آیا، یا نہیں"؟

تیسری مثال: فجر کی جماعت ہوتے ہوئے فجر کی سنت پڑھنا

حکیم محمد صادق صاحب ص ۱۴۱ پر لکھتے ہیں

"کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ فجر کی نماز کی جماعت کھڑی ہے اور لوگ پاس سنتیں پڑھ رہے ہوتے ہیں، اور کیا ان لوگوں کا جماعت کی موجودگی میں سنتیں پڑھنا رسولِ خدا کی نافرمانی نہیں ہے؟ جب کہ حضور انورؐ نے لا صلوٰۃ فرما کر ہر نماز کی

نفی فرمادی ہے۔

یہاں بھی حکیم صادق نے حدیثوں کو لڑایا ہے، اور آپ جانتے ہیں؟ رسولِ خدا کے نافرمانوں میں انہوں نے کن کن صحابہ کو شامل کیا ہے۔ سنئے! وہ ہیں

عبداللہ بن مسعودؓ، عبداللہ بن عمرؓ، ابوموسیٰ اشعریؓ عبداللہ بن عباسؓ، حذیفہؓ بن یمان۔

اور تابعین میں اِن لوگوں کو شامل کیا ہے

ابوعثمان نہدی، مسروقؒ، حسن بصریؒ

(دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۲۵۰، طحاوی شریف ۱/۱۸۳، آثارالسنن ۲/۳۰)(۱)

چوتھی مثال: کیا ہر نماز اول وقت میں پڑھنی چاہئے

حکیم صادق لکھتے ہیں

''رسولِ خدا نے اپنی تمام زندگی میں وفات تک سب نمازیں ہمیشہ اول وقت میں پڑھیں''۔ (صلوٰۃ الرسول ص ۱۴۴)

یہ تو حکیم صادق کا دعویٰ ہے اور دیکھئے بخاری کی حدیث کیا کہتی ہے۔ بخاری جلد اول ص ۸۰ پر باب وقت العشاء، **اذا اجتمع الناس او تأخروا** میں ہے کہ کچھ حضراتِ تابعین نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازوں کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے جواب دیتے ہوئے نمازِ عشاء کے متعلق فرمایا کہ

والعشاء اذا کثرالناس عجل واذا قلوا أخر۔ جب لوگ، زیادہ آجاتے تو عشاء کی نماز جلدی پڑھاتے اور کم ہوتے تو تاخیر کرتے۔

''سوچئے! یہ زندگی بھر سب نمازوں کو اول وقت میں پڑھنا ہوا؟۔

---

(۱) فجر کی جماعت ہوتے ہوئے فجر کی سنت پڑھی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ کی تحقیق کے طلبگار حضرات راقم سطور کی کتاب ''رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقۂ نماز ص ۱۱۳ تا ص ۱۱۶'' کا مطالعہ کریں، انشاءاللہ تعالیٰ حکیم صادق جیسے لوگوں کی پیدا کردہ غلط فہمیاں دور ہوجائیں گی۔

اس باب کے بعد ایک اور باب ہے، عنوان ہے، باب فضل العشاء، اس میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بتاتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کی نماز اتنی تاخیر سے پڑھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے نام النساء والصبیان (عورتیں اور بچے سو گئے) اس کے بعد، اسی باب میں حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ کی روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کی نماز آدھی رات کو پڑھائی حتٰی ابھار اللیل (بخاری جلد ثانی ص ۸۰)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ گرمی کے دن میں ظہر کے وقت مؤذن نے اذان دینی چاہی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انتظر انتظر (انتظار کرو، انتظار کرو) پھر مزید یہ بھی فرمایا

شدۃ الحر من فیح جہنم فاذا اشتد الحر فابردعن الصلوٰۃ۔	گرمی کی سختی جہنم کی بھاپ سے ہے، جب گرمی سخت ہو تو نماز کو ٹھنڈے وقت میں پڑھو۔

حضرت ابوذر ؓ کہتے ہیں حتٰی رأینا فئ التلول یہاں تک کہ ہم نے ٹیلے کا سایہ دیکھ لیا تب اذان ہوئی۔ (بخاری ۱/۷۶ باب الابراد بالظھر فی شدۃ الحر)

بخاری جلد اول ص ۱۲۴ باب اذا اشتد الحر یوم الجمعۃ میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ

کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا اشتد البرد بکر بالصلوٰۃ واذا اشتد الحر ابرد بالصلوٰۃ یعنی الجمعۃ۔	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، جب سردی زیادہ ہوتی تو، جمعہ کی نماز جلدی پڑھاتے اور گرمی ہوتی تو ٹھنڈے وقت میں پڑھاتے۔

''صلوٰۃ الرسول'' جیسی کتابیں لکھنے والوں کو ''حدیثوں کو لڑانے'' کے بجائے امام ابن خزیمہ ؒ کی صحیح ابن خزیمہ جلد اول ص ۱۶۹ کا مطالعہ کرنا چاہئے، جس میں انہوں نے اوقاتِ نماز

سے متعلق احادیث پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''اول وقت'' اپنے لفظی عموم کے باوجود، احادیثِ مذکورہ کے پیشِ نظر عام نہیں۔

اس کے علاوہ ''اول وقت'' کا ایک مطلب یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ''اول وقت'' سے پورے وقت کا اول مراد نہیں ہے، بلکہ مستحب وقت کا اول مراد ہے۔

مگر حکیم صادق جیسے سطحی علم رکھنے والے اتنی گہرائی تک کہاں پہونچ پائیں گے، ان کا کام تو حدیثوں کو لڑا کر تماشہ دیکھنا ہے۔



غلط مسائل

پہلی مثال: پانی کی ناپاکی کے متعلق غلط مسائل

''صلوٰۃ الرسول'' ص ۵۲ پر ایک عنوان ہے ''پانی کے احکام'' اسی کے تحت حکیم صادق لکھتے ہیں

''حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ (اگر نجاست کے گرنے سے) پانی سے بدبو آنے لگے، یا اس کا مزہ بگڑ جائے، یا رنگ تبدیل ہو جائے، یعنی تینوں وصف پانی میں اکٹھے پائیں جائیں تو وہ پانی ناپاک ہو جاتا ہے''۔

اس عبارت پر نقد و تبصرہ کرتے ہوئے ''القول المقبول فی تخریج و تعلیق صلوٰۃ الرسول'' کے غیر مقلد مصنف ''تنبیہ'' کے عنوان سے لکھتے ہیں

''مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کہہ کر کہ (یعنی تینوں وصف پانی میں اکٹھے پائے جائیں) غلطی کی ہے، کیونکہ صرف ایک وصف کے پائے جانے سے ہی بالاجماع پانی ناپاک ہو جاتا ہے''۔ (ص ۷۴)

دوسری مثال: غسلِ جنابت میں بدن ملنا

حکیم محمد صادق صاحب لکھتے ہیں

''جنبی کو چاہیئے کہ وہ غسل کرنے میں مبالغے یعنی بہت کوشش سے کام لے، اور بدن کو خوب مل مل کر نہائے کہ ذرہ برابر خشک نہ رہے''۔ (ص ۶۵)

اس کے متعلق القول المقبول کے مصنف لکھتے ہیں

''جہاں تک جگہ خشک نہ رہ جانے کا مسئلہ ہے تو یہ بجا ہے، کہ جسم کا کوئی حصہ خشک

نہیں رہنا چاہئے اور یہ بدن کو ملے بغیر بھی حاصل ہوسکتا ہے، رہا غسلِ جنابت کرتے وقت جسم کومل مل کر نہانا تو یہ ضروری نہیں ہے"۔ (ص ۱۱۹)

تیسری مثال: جنبی مسجد میں داخل ہوسکتا ہے یا نہیں؟

حکیم صادق صاحب نے ص ۹۸ پر ایک عنوان قائم کیا ہے

"جنبی مسجد میں داخل نہیں ہوسکتا"

اس کے تحت انہوں نے بلوغ المرام سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ایک روایت نقل کی ہے، مگر "القول المقبول" کے غیر مقلد مصنف کے نزدیک یہ مسئلہ غلط ہے، انہوں نے القول المقبول کے ص ۱۲۵ وص ۱۲۶ پر اپنے دلائل کی روشنی میں اس مسئلہ کو غیر راجح اور غیر قوی قرار دیا ہے، لیکن ہمارے نزدیک یہ مسئلہ صحیح ہے۔

اسی طرح حکیم صادق صاحب نے جنبی کو قرآن پڑھنے کی ممانعت کی ہے، (صلوٰۃ الرسول ص ۹۸) بلوغ المرام سے ہی اس کی بھی دلیل دی ہے، لیکن القول المقبول کے غیر مقلد عالم نے اس مسئلہ کو بھی غلط قرار دیا ہے۔ (ص ۱۲۸ تا ص ۱۳۱) جبکہ یہ مسئلہ بھی ہمارے نزدیک صحیح ہے، لیکن جب غیر مقلد عالم ہی حکیم صادق صاحب کی تغلیط کر رہا ہے تو وہی لوگ جانیں، اسی طرح حکیم صادق صاحب نے حائضہ کو قرآن پڑھنے کی ممانعت کی ہے اور دلیل میں ترمذی شریف کی روایت پیش کی ہے، (صلوٰۃ الرسول ص ۴۷)۔ مگر القول المقبول کے غیر مقلد عالم نے اس مسئلہ میں بھی انہیں غلط قرار دیا ہے۔ (القول المقبول ص ۱۴۰ وص ۱۴۷ وغیرہ) جبکہ یہ مسئلہ ہمارے نزدیک صحیح ہے، مگر حکیم صاحب کی جماعت کے لوگ ہی انہیں غلط قرار دے رہے ہیں۔

چوتھی مثال: بے نمازی کافر ہے یا نہیں؟

حکیم صادق صاحب لکھتے ہیں

''واضح ہو کہ تارک الصلوٰۃ اصحابِ ظواہر کے نزدیک کافر ہے''۔ (صلوٰۃ الرسول ص ۱۱۹)

اس کے بعد انہوں نے مزید کچھ صحابہ کے نام اور ائمہ مجتہدین و محدثین کے نام لکھے ہیں اور بتایا ہے کہ ان حضرات کے قول کے مطابق تارک الصلوٰۃ عمداً کافر ہو جاتا ہے۔ (ص ۱۲۰)

مگر القول المقبول کے مصنف کہتے ہیں کہ حکیم صادق کی یہ بات صحیح نہیں، اصحابِ ظواہر کے نزدیک بھی بے نمازی کافر نہیں ہے، جمہور علماء بھی بے نمازی کو کافر نہیں کہتے۔ (ص ۲۲۸ تا ص ۲۳۲)

پانچویں مثال: نماز میں آیات کے جوابات؟

صلوٰۃ الرسول ص ۲۱۳ پر ہے ''ان آیات کے جوابات دینے چاہئیں'' اس کے بعد سورۂ اعلیٰ، والتین، رحمٰن، غاشیہ وغیرہ کی کچھ آیات نقل کر کے حکیم صادق صاحب نے اُن آیات کا جواب دینے کی تاکید کی ہے۔

القول المقبول کے غیر مقلد مصنف کہتے ہیں کہ یہ مسئلہ صحیح نہیں ہے، وہ کہتے ہیں

''مذکورہ احادیث سے اس مسئلہ پر دلیل لینا کہ جب امام بعض مخصوص آیات کی تلاوت کرے تو اسے اور اس کے ساتھ مقتدیوں کو بھی ان کا جواب دینا چاہئے، صحیح نہیں''۔ (ص ۳۹۰)

چھٹی مثال: نمازِ جنازہ میں دعاء سراً یا جہراً؟

حکیم صادق صاحب ''جنازہ کے مسائل'' کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں

'' جنازہ میں امام کو قرأت، دعاء اونچی آواز سے پڑھنی چاہئے (مسلم) (صلوٰۃ الرسول ص ۴۳۹)

القول المقبول کے مصنف کہتے ہیں کہ یہ بات صحیح نہیں اور مسلم شریف کا حوالہ بھی غلط ہے، وہ کہتے ہیں

''نمازِ جنازہ میں بآوازِ بلند قرأت کی صراحت نہ تو صحیح مسلم میں اور نہ ہی حدیث کی کسی دوسری کتاب میں ملتی ہے، بلکہ سراً قرأت کرنا نصِ صریح سے ثابت ہے''۔ (القول المقبول ص ۱۰۷)

چند سطور کے بعد پھر لکھتے ہیں

''الحاصل نمازِ جنازہ سراً پڑھنی چاہئے۔۔۔۔ بلکہ ابن قدامہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ نمازِ جنازہ میں قرأت اور دعاء کو سراً پڑھنے میں اہلِ علم کے درمیان اختلاف کا ہمیں علم نہیں''۔ (المغنی ۲/۴۸۶)

لہٰذا اگر کوئی نمازِ جنازہ میں قرأت اور دعائیں سراً پڑھتا ہے تو اس پر انکار نہیں کرنا چاہئے۔ ہاں! نمازِ جنازہ جہراً پڑھانے والے کو سنت طریقہ سے ضرور آگاہ کرنا چاہئے۔ (القول المقبول ص ۱۱۷)

ساتویں مثال: غائبانہ نمازِ جنازہ

حکیم صادق صاحب لکھتے ہیں

''جنازہ غائبانہ بھی پڑھ سکتے ہیں'' (صلوٰۃ الرسول ص ۴۴۰)

القول المقبول کے غیر مقلد مصنف نے اس مسئلہ کو غلط قرار دیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ غائبانہ نمازِ جنازہ نہیں ہے، انہوں نے اس مسئلہ پر اپنی کتاب کے ص ۱۴۷ تا ص ۱۷۷ مفصل بحث کی ہے، اور عدمِ جواز کو ترجیح دی ہے، ان کے چند جملے ملاحظہ کیجئے

''غائبانہ نماز جنازہ پڑھنے پر نجاشی کے قصے سے دلیل لی جاتی ہے جو بخاری و مسلم اور سنن اربعہ وغیرہ میں مختلف صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے، مگر اس سے مطلق غائبانہ نمازِ جنازہ پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے'' (ص ۱۴۷)

دو صفحات کے بعد پھر لکھتے ہیں

''حاصل کلام یہ ہے کہ یہی وہ دو واقعات ہیں جن سے اس مسئلے کے لئے استدلال کیا جاتا ہے، جن میں سے معاویہ بن معاویہ والا قصہ تو ویسے ہی ثابت نہیں اگر یہ صحیح

ثابت بھی ہو تب بھی اس سے دلیل لینا صحیح نہیں جیسا کہ اوپر تفصیل سے ذکر ہوا۔

رہا نجاشی والا قصہ تو اس کے بارے میں امام خطابی نے جو تفصیل ذکر کی ہے، وہی قوی ہے، کیونکہ اگر ہر غائب میت کی نمازِ غائبانہ مشروع ہوتی تو نبی علیہ السلام نجاشی کے علاوہ کم از کم کسی ایک کی تو غائبانہ نمازِ جنازہ ادا کرتے، جب کہ آپ سے ایسا قطعاً ثابت نہیں، حافظ ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ اگر میت غائب پر نمازِ جنازہ جائز ہوتی تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے صحابہ کی غائبانہ نمازِ جنازہ ادا کرتے، شرق وغرب میں مسلمان، خلفاء اربعہ اور دیگر لوگوں کی بھی یہ نماز پڑھتے، لیکن ایسا کرنا کسی سے بھی منقول نہیں۔ نقلا عن الجوھر النقی:

حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ مسلمانوں میں سے بہت سے ایسے لوگ بھی فوت ہوئے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے غائب تھے، مگر آپ نے ان میں سے کسی کی بھی غائبانہ نمازِ جنازہ ادا نہیں کی، اس مسئلے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا مذہب بھی خطابی والا مذہب ہے، حنبلی مذہب میں بھی صحیح ترین قول یہی ہے۔ دیکھیں ''زاد المعاد'' (۵۱۹/۱۔۵۲۰)(القول المقبول ص ۱۷۷)

آٹھویں مثال: فجر کی سنتوں کے بعد لیٹ کر پڑھنے کی دعاء؟

حکیم صادق صاحب نے صلوٰۃ الرسول کے ص ۲۶۸ پر بخاری کے حوالے سے ایک دعاء لکھی ہے، اور عنوان قائم کیا ہے

''فجر کی سنتوں کے بعد لیٹ کر پڑھنے کی دعاء''

''القول المقبول'' کے مصنف لکھتے ہیں کہ

''اس دعاء کا فجر کی سنتوں کے بعد لیٹ کر پڑھنا محل نظر ہے، کیونکہ اس کے بارے میں شدید اختلاف پایا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کس موقع پر پڑھا''۔ (ص ۲۷۷)

دوسرے صفحہ پر لکھتے ہیں

''اسی طرح دونوں سندوں کی بعض روایات میں ہے کہ آپ نے اس کو فجر کی سنتوں کے بعد پڑھا، مگر یہ روایات اسنادی اعتبار سے محل نظر ہیں''۔(ص ۴۷۳)

اب غور کیجئے! حکیم صادق صاحب کا یہ لکھنا صحیح رہا یا غلط

''یہ دعاء لیٹ کر پڑھیں، رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سنتیں پڑھ کر داہنے پہلو پر لیٹتے تھے، آپ بھی سنت کے مطابق داہنے پہلو پر لیٹ جایا کریں اور دعاء مذکور پڑھا کریں''۔(ص ۴۶۹، القول المقبول ص ۴۷۳)

نویں مثال: یہ وظیفہ؟

حکیم صادق صاحب ''تمام مطالب وحوائج کے لئے ایک مجرب التاثیر وظیفہ'' کا عنوان قائم کر کے لکھتے ہیں

''حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دعاء ذی النون حضرت یونس ؑ کی مچھلی کے پیٹ میں یہ آیتِ کریمہ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ. اور جو کوئی مسلمان کسی کام کے لئے یہ دعاء پڑھتا ہے، خدا تعالیٰ قبول فرمالیتا ہے''۔(ترمذی)

چند سطروں کے بعد یوں عنوان قائم کر کے لکھتے ہیں

پڑھنے کا طریقہ:

اس کے پڑھنے کے طریقے اپنے اپنے احوال واشغال کے لحاظ سے مختلف ہیں، ایک طریق تو یہ ہے کہ ہر روز رات کو بعد نمازِ عشاء ایک ہزار بار پڑھیں، اول آخر تین تین بار درود شریف بھی، (قعدہ وتشہد) والا ضرور پڑھیں، بارہ روز تک پڑھیں، انشاء اللہ اکل حلال اور صدقِ مقال کی پابندی سے پڑھنے پر کام ہوجائے گا، ورنہ چالیس روز تک پڑھیں، لیلائے مرام سے ہم آغوش ہوجائیں گے۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اس دعاء کو چالیس روز میں سوالاکھ بار کریں، جس کی

صورت یہ ہے کہ ہر روز تین ہزار ایک سو پچیس (۳۱۲۵) بار پڑھیں، اول آخر چند بار درود شریف ضرور ہو، خدا کے فضل سے شبِ غم کی تاریکیوں سے صبح فرح کے انوارِ ضیاء بار ہوں گے۔

تیسرا طریق اس کے پڑھنے کا یہ ہے کہ نمازِ عشاء کے بعد تاریک مکان میں بیٹھ کر ایک پانی کا پیالہ بھر کر آگے رکھ لیں، اس طرح حضرت یونسؑ کے مچھلی کے پیٹ کے اندھیرے اور دریا کے پانی کا نقشہ کھینچ جائے گا، اور بدن اور کپڑوں کی طہارت کے ساتھ باوضو قبلہ رخ بیٹھ کر نہایت عاجزی، زاری، خضوع اور استحضار کے ساتھ یہ دعاء تین سو بار پڑھیں اور پڑھنے کے دوران میں ہر سو بار کے خاتمے پر پانی میں ہاتھ ڈال کر منھ اور بدن پر پھیرتے رہیں، جب پڑھ چکیں تو اکتالیس بار درود شریف بھی پڑھیں، اسی طرح اکتالیس روز تک یہ عمل جاری رکھیں، خدا کی مہربانی سے ہموم وغموم کے بادل چھٹ کر مطلع امید نظر آجائے گا، اور کوئی مشکل اور مصیبت ایسی نہیں جو دور نہ ہو ان شاء اللہ الغفار۔ (صلوٰۃ الرسول ص ۴۴۸ تا ص ۴۵۰)

مگر ''القول المقبول'' کے غیر مقلد مصنف کو اس وظیفہ پر سخت اعتراض ہے، وہ اس کا تمسخر کرتے ہوئے لکھتے ہیں

''کیا ایسا نہیں کہ اس وظیفے کے کرنے والے کو ایک مچھلی نما صندوق میں بند کر کے کسی دریا یا سمندر میں پھینک دیا جائے تا کہ حضرت یونسؑ کے مچھلی کے پیٹ کے اندھیرے کا نہ صرف نقشہ کھینچ جائے، بلکہ یونسؑ والی صحیح کیفیت پیدا ہو جائے، اس طریقہ پر عمل کرنے سے اکتالیس دن انتظار کرنے کی ضرورت نہیں، بلکہ چند ہی گھنٹوں میں بفضلہ تعالیٰ ہر قسم کے ہموم وغموم کے بادل چھٹ جائیں گے، کسی طرح کی بھی مشکل ومصیبت باقی نہ رہے گی، بلکہ سب پریشانیوں اور مصیبتوں سے نجات ابدی مل جائے گی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ. مجھے نہایت تعجب بھی ہے اور افسوس بھی کہ اس قسم کی لایعنی چیزیں اور خرافات ہم سلفیوں میں کدھر سے گھس آئیں باللہ علیکم کیا اس قسم کی باتیں اللہ عزوجل کی ذاتِ

اقدس سے استہزاء کے مترادف نہیں؟

یہ طریقے کس آیتِ قرآنی اور کس حدیثِ نبوی سے ماخوذ ہیں، یا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے اس کا ثبوت ملتا ہے؟ یا کہ یہ تابعین اور اتباعِ تابعین سے منقول ہیں، اگر اس آیتِ کریمہ کی تاثیر اس کو ان طرق سے پڑھنے پر مبنی ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں ہمارے لئے اس کی فضیلت اور فائدہ بیان کردیا تو وہاں ان طرق کو بھی ضرور ذکر فرماتے یا کہ نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان طرق کو بتلانا بھول گئے تھے۔

مؤلف سامحہ اللہ اس آیت کی فضیلت ذکر کرنے سے قبل یہ فرما کر آئے ہیں کہ اب ہم مسلمان بھائیوں اور بہنوں کے پڑھنے کے لئے یہاں خدا تعالیٰ اور اس کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمائے ہوئے اوراد وظائف ادعیہ اور اذکار لکھتے ہیں۔

ان کی اس صراحت کے بعد اب اگر ایک عامی ان خود ساختہ طریقوں کو اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلائے ہوئے طریقے تصور کرلیتا ہے تو اس کی ذمہ داری کس پر عائد ہوگی۔

اللہ کے لئے اس قسم کی ایجادات سے بچیئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت شدہ وظائف واذکار کو اسی طریقہ سے پڑھیے، جس طریقہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اُن کا پڑھنا منقول ہو، جس ورد یا وظیفہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی خاص وقت یا متعین تعداد سے پڑھا ہو اس کو اسی وقت اور اسی تعداد سے پڑھیے، اور جس وظیفہ کے بارے میں ان دونوں (تعین وقت وتعداد) میں سے کوئی ایک بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہ ہو اسے بغیر کسی تعین وقت وتعداد کے پڑھیے، حتیٰ کہ وہ مقصد حاصل ہوجائے جس مقصد کی خاطر وہ (وظیفہ) ہے اس میں اپنی طرف سے مسالہ جات کا اضافہ کرکے اسے چٹ پٹا بنانے کی ہرگز کوشش نہ کیجئے، کیونکہ یہ کوشش محمود نہیں بلکہ مذموم ومردود ہے"

"من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منه فھو رد" (متفق علیہ) (القول المقبول ص ۲۷،۳۷ و ص ۸ ۳۷)

دسویں مثال: دعاء قنوت رکوع سے پہلے یا رکوع کے بعد؟

حکیم صادق لکھتے ہیں

"دعاء قنوت یہ ہے، جو آخر رکعت میں بعد رکوع پڑھتے ہیں"۔ (صلوٰۃ الرسول ص ۳۵۸)

مگر "القول المقبول" کے مصنف اس بات کو تسلیم نہیں کرتے، وہ کہتے ہیں کہ جو قنوت رکوع کے بعد ہے وہ قنوتِ نازلہ والا ہے۔ اور وتر والا قنوت رکوع سے پہلے ہے، اور وتر تین رکعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے تھے۔ وہ لکھتے ہیں

"رہا وتروں میں دعائے قنوت پڑھنا تو اس کا محل رکوع سے قبل ہے جیسا کہ اپنے مقام پر اس کی تفصیل گزر چکی ہے"۔

مسئلہ: مؤلف رحمہ اللہ نے مذکورہ دونوں حدیثوں سے اس مسئلے پر دلیل لی ہے کہ وتروں میں دعائے قنوت رکوع کے بعد کی جائے، مگر ان حدیثوں سے اس مسئلے کے لئے دلیل لینا محل نظر ہے، کیونکہ ان کا تعلق قنوتِ نازلہ سے ہے، قنوتِ وتر سے نہیں، قنوتِ وتر میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دعاء قبل از رکوع ثابت ہے، چنانچہ ابن ابی کعب رضی اللہ عنہ کی حدیث یہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین وتر پڑھتے اور دعاء قبل از رکوع کرتے۔ (القول المقبول ص ۵۸۸)

گیارہویں مثال:

نقلِ حدیث میں بے احتیاطی اور لاپروائی کا عبرت ناک معاملہ

حکیم محمد صادق صاحب نے "صلوٰۃ الرسول" کے ص ۱۳۵ پر ایک عنوان قائم کیا ہے

''نماز کے لامثال محاسن''

اس عنوان کے تحت لکھتے ہیں

''نماز کی خوبیوں، اچھائیوں، برکتوں، رحمتوں اور فائدوں کو شمار نہیں کیا جاسکتا، صحاح ستہ سے ہم اختصار کے ساتھ اس کے مزید محاسن بیان کرتے ہیں، تا کہ قارئین کا ایمان تازہ ہو اور نماز پر مداومت کرنے کا شوق بڑھے''۔

اس کے بعد انہوں نے کل ۲۵، احادیث نقل کی ہیں، اِن احادیث کے متعلق حکیم صاحب سے کہاں چوک ہوئی ہے، اسے ''القول المقبول'' کے غیر مقلد مصنف نے تفصیل سے بیان کیا ہے۔ وہ ''تنبیہ'' کے تحت لکھتے ہیں

مؤلف علیہ الرحمۃ نے ''نماز کے لامثال محاسن'' عنوان کے تحت پچیس احادیث نقل کی ہیں، اور ان کو نقل کرنے سے قبل و بعد ''صحاح ستہ'' کا حوالہ دیا ہے، جب کہ ان میں سے تیرہ احادیث ایسی ہیں جو کتب ستہ میں نہیں، بلکہ دوسری کتب میں ہیں، دیکھیں درج ذیل نمبر ۱۵۹، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، اور ۱۷۸۔

کس قدر افسوس کن امر ہے کہ ان پچیس حدیثوں میں سے پہلی حدیث کا پہلا حصہ ہی صحاحِ ستہ کی کسی کتاب میں نہیں ہے، لہٰذا مذکورہ بالا تمام احادیث کے لئے ''صحاحِ ستہ'' کا حوالہ دینا قطعاً صحیح نہیں، معلوم نہیں مؤلف رحمہ اللہ سے یہ تساہل کیسے ہو گیا، غفر اللہ لہ۔

جہاں تک میں سمجھتا ہوں، وہ یہ کہ مؤلف نے ان سب احادیث کو تبلیغی نصاب سے نقل کیا ہے، کیونکہ یہ سب احادیث اس کتاب میں موجود ہیں، مگر واضح رہے کہ مولانا زکریا نے ان احادیث کے لئے صحاحِ ستہ کا حوالہ نہیں دیا، بلکہ مطلقاً حدیث کی کتابوں کا ذکر کیا ہے، مولانا لکھتے ہیں، حدیث کی کتابوں میں نماز کے بارے میں بہت ہی تاکید اور بہت سے فضائل وارد ہوئے ہیں ان سب کا احاطہ کرنا مشکل

ہے، تبرکاً چند احادیث کا صرف ترجمہ لکھا جاتا ہے، اس کے بعد انہوں نے فضائلِ نماز کے بارے میں چالیس احادیث ذکر کی ہیں، جن میں سے مؤلف علیہ الرحمہ نے بعض کو حذف کردیا ہے، اور بعض کی ترتیب میں تبدیلی کی ہے، واللہ اعلم۔

(ملاحظہ ہو تبلیغی نصاب فضائل نماز ص ۲۳۔۲۵) (القول المقبول ص ۲۶۳)

فضائلِ اعمال کا پرانا نام تبلیغی نصاب ہے۔ ''القول المقبول'' کے مصنف کی مذکورہ بالا باتوں سے صاف ظاہر ہے کہ شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب علیہ الرحمۃ نے نقل حدیث میں کوئی بے احتیاطی نہیں کی، مگر انہی کی کتاب سے حدیثیں لے کر حکیم صادق نے جو گل کھلائے ہیں، وہ قارئین کے سامنے ہیں۔

بارہویں مثال: فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگنا

حکیم صادق صاحب لکھتے ہیں

''فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگنا درست ہے''۔ (ص ۳۱۰ وص ۳۱۱)

لیکن ''القول المقبول'' کے مصنف نے اس کی تردید کی ہے، اور بدعت وخلاف سنت کہا ہے۔ دیکھئے ص ۴۸۹ وغیرہ۔

پتہ نہیں، حکیم صادق صاحب کا مسئلہ صحیح ہے یا القول المقبول کے مصنف کا، وہی لوگ جانیں۔ ویسے ہم تو بالکل جائز ودرست سمجھتے ہیں، مگر ایسا لگتا ہے کہ غیر مقلد علماء فیصلہ نہیں کر پارہے ہیں کہ درست کہیں یا بدعت وخلافِ سنت۔



صلوٰۃ الرسول میں ضعیف احادیث کی مثالیں

سینہ پر ہاتھ باندھنے کی ساری احادیث ضعیف ہیں

''صلوٰۃ الرسول'' میں سینہ پر ہاتھ باندھنے کی پانچ احادیث نقل کی گئی ہیں، سب کی سب ضعیف ہیں۔ (دیکھئے ص ۱۸۷ تا ص ۱۸۸)

پہلی روایت انہیں کے نقل کردہ الفاظ وترجمہ کے ساتھ یہ ہے

عن وائل بن حجر قال صليت مع النبي صلى الله عليه وسلم فوضع يده اليمنى على اليسري على صدره (صحیح ابن خزیمہ)

وائلؓ بن حجر سے مروی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی، پس آپؐ نے اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں پر رکھا اپنے سینے پر۔

القول المقبول کے مصنف اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں

''یہ سند ضعیف ہے کیونکہ مؤمل بن اسماعیل سئ الحفظ ہے، جیسا کہ ابن حجر نے تقریب (۲/۲۹۰) میں کہا ہے، ابوزرعہ نے کہا ہے کہ یہ بہت غلطیاں کرتا ہے، امام بخاری نے اسے منکر الحدیث کہا ہے، ذہبی نے کہا ہے کہ یہ حافظ عالم ہے مگر غلطیاں کرتا ہے''۔ (میزان ۴/۲۲۸)

بیہقی (۲/۳۰) بزار (۲۶۸) طبرانی (۲۲/۵۰) اور ابن عدی (۶/۲۶۶) میں اس کی وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے ایک دوسری سند بھی ہے، مگر یہ سند بھی ضعیف ہے"۔ (ص ۳۴۰)

مذکورہ بالا سطور میں "القول المقبول" کے مصنف نے مذکورہ حدیث کی سند کو ضعیف تسلیم کیا ہے، مگر انہوں نے چند باتوں کو چھوڑ دیا ہے، اسے ہم بیان کرتے ہیں۔

(۱) حدیث کے عربی الفاظ میں علی یدہ الیسری کے الفاظ ہیں مگر "صلوٰۃ الرسول" میں یدہ کے الفاظ نقل نہیں۔ "القول المقبول" کے مصنف نے بھی اس حدیث کو جوں کا توں نقل کر دیا، اور الفاظ حدیث میں ترک شدہ لفظ کی طرف کوئی تنبیہ نہیں کی۔

(۲) اس حدیث میں علی صدرہ کا اضافہ غیر محفوظ ہے، صرف مؤمل بن اسماعیل کی روایت میں ہے کسی اور راوی نے یہ الفاظ اس حدیث میں ذکر نہیں کئے۔

(۳) صحیح ابن خزیمہ میں جہاں یہ روایت آئی ہوئی ہے، وہیں حاشیہ پر لکھا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے، دوسری روایت طاؤس کی ہے جو کہ مرسل ہے، غیر مقلدین حدیث مرسل کو حجت نہیں مانتے، لیکن اپنے مطلب کے لئے "صلوٰۃ الرسول" کے مصنف نے مرسل کا حوالہ دیدیا، مزید برآں اس کے ایک راوی سلمان بن موسیٰ کو محدثین نے لین الحدیث کہا ہے، امام بخاری کہتے ہیں عندہ مناکیر (اس کے پاس بہت سی منکر روایتیں ہیں)، امام نسائی فرماتے ہیں لیس بالقوی (قوی نہیں ہے) دیکھئے التعلیق الحسن علی آثار السنن (۱/۶۸)

تیسری روایت مسند احمد کی ہے جو ھلب سے مروی ہے، القول المقبول کے مصنف نے خود تسلیم کیا ہے کہ اس کی سند ضعیف ہے۔ (ج ۱ ص ۳۴۱)

چوتھی روایت طبرانی کی ہے جو وائل بن حجرؓ سے مروی ہے، القول المقبول کے مصنف نے اس کی سند کو بھی ضعیف قرار دیا ہے۔ (ص ۳۴۰ وص ۳۴۲ وص ۲۶۰ وص ۲۶۳)

پانچویں روایت ابن ابی حاتم اور بیہقی کی ہے وہ بھی ضعیف ہے۔ (القول المقبول ص ۳۴۲ / ۳، ۲۶۴) ان تفصیلات سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ سینے پر ہاتھ باندھنے کی ضعیف سے ضعیف روایت بھی بخاری و مسلم سمیت صحاحِ ستہ میں سے کسی میں نہیں ہے۔

البتہ بخاری میں ایک روایت ان الفاظ میں ہے (اور اسے صلوٰۃ الرسول کے مصنف نے بھی ص ۱۸۹ پر نقل کیا ہے)

عن سهل بن سعد قال كان ناس يؤمرون ان يضع الرجل اليد اليمنٰى على ذراعه اليسرٰي في الصلوٰة (۱/ ۱۰۲)	سہل بن سعدؓ سے مروی ہے کہ لوگوں کو حکم دیا گیا تھا کہ آدمی اپنا دایاں ہاتھ اپنی بائیں کلائی پر رکھے نماز میں۔

کیا اس حدیث میں کہیں بھی سینے پر ہاتھ باندھنے کا ذکر ہے؟ مگر مسلکی تعصب دیکھئے! القول المقبول کے مصنف اسی حدیث کے متعلق لکھتے ہیں

> ''اس حدیث سے بھی سینے پر ہاتھ باندھنے کی تائید ہوتی ہے، کیونکہ دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کی کلائی پر رکھنے کی صورت میں ہاتھ زیرِ ناف نہیں ہوسکتے''۔
> (ص ۳۴۴)

مانا کہ زیرِ ناف نہیں ہوسکتے، تو سینے پر کیسے ہوجائیں گے اور سینے پر ہاتھ باندھنے کی اس حدیث سے تائید کیسے ہوجائے گی؟

صحیح بات تو یہ ہے کہ اس حدیث سے نہ سینے پر ہاتھ باندھنے کی تائید ہوتی نہ ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کی تائید ہوتی، صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ نماز میں دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر باندھنا ہے۔

خلاصہ یہی نکلا کہ آپ حضرات کے پاس سینے پر ہاتھ باندھنے سے متعلق صحاحِ ستہ کی کوئی روایت نہیں ہے، اور جن کتابوں کی روایت ہے وہ بھی حد درجہ ضعیف ہے، تفصیل گزر چکی ہے۔

ایک اور جہالت کی بات سنئے!

القول المقبول کے مصنف وائلؓ بن حجر کی روایت میں ہاتھ باندھنے کی کیفیت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

''آپ نے اپنا دایاں ہاتھ، بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کی پشت اور کلائی پر رکھا''۔

پھر لکھتے ہیں

''شیخ البانی فرماتے ہیں کہ اس کیفیت پر عمل کرنے سے لازماً ہاتھ سینے پر آئیں گے، تجربہ کیجئے''۔ (القول المقبول ص ۳۴۱)

ہم کہتے ہیں کہ تجربہ کر کے دیکھ لیجئے! ہاتھ سینے پر نہیں آئیں گے، آپ جہاں لے جائیں گے وہاں آئیں گے، ناف کے نیچے بھی آئیں گے، ناف پر بھی آئیں گے، ناف کے اوپر بھی آئیں گے، سینے پر بھی آئیں گے، لیکن لازماً سینے پر آئیں بالکل غلط ہے، ہماری اس بات کی روشنی میں آپ حضرات خود تجربہ کر کے دیکھ لیجئے، البانی صاحب کی تقلید نہ کیجئے۔

جب سینے پر ہاتھ باندھنے والی تمام روایات کا یہ حال ہے، تو ایسی صورت میں حکیم صادق صاحب کی یہ بات جو بظاہر ''نہایت مشفقانہ اور ہمدردانہ ہے'' اسے ہمدردانہ و مشفقانہ قرار دیا جائے یا مکارانہ؟

''ہم نے سینے پر ہاتھ باندھنے کے متعلق یہ احادیث اس لئے تحریر کی ہیں، کہ جو بھائی سینے پر ہاتھ باندھنے والوں کو روکتے ٹوکتے ہیں، وہ آئندہ روکیں ٹوکیں نہیں، اور اس فعل کو برا نہ مانیں، اور غور کریں کہ وہ ایسا کرنے میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل پر معترض ہوتے ہیں، جبکہ ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے والوں کو چاہئے کہ وہ سینے پر ہاتھ باندھنے والوں کو محبت بھری نگاہ سے دیکھیں، کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مذکورہ حدیثوں پر عمل کرتے ہیں، صحیح حدیث اور سنتِ رسول پر تو مسلمان کو جان چھڑکنی چاہئے کہ یہی محبتِ رسول کی سند ہے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ پھر حضورؐ کی صحیح سند سے ثابت شدہ حدیثیں سب کو

سر آنکھوں پر رکھنی چاہئیں، تعصب اور ضد کی بنا پر جھگڑے پیدا کر کے قوم میں تفریق اور پھوٹ ڈالنا بہت بری بات ہے، آپس میں محبت کرو، سنت کی فضا میں شیر و شکر ہو کر رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو جان سے زیادہ عزیز رکھو اور سنت کی اتباع میں سب سینے پر ہاتھ باندھو"۔ (صلوٰۃ الرسول ص ۱۸۸)

رفع یدین منسوخ نہ ہونے کی موضوع حدیث

حکیم صادق صاحب نے ایک عنوان قائم کیا ہے

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات تک رفع یدین کرتے رہے"

اس کے بعد انہوں نے یہ حدیث نقل کی ہے

عن ابن عمر رضی الله عنه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم کان اذا افتتح الصلوٰة رفع یدیه واذا رکع واذا رفع راسه من الرکوع وکان لا یفعل ذٰلك فی السجود فما زالت تلك صلوٰته حتّٰی لقی الله تعالٰی. (التلخیص الحبیر العسقلانی)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرتے تو رفع الیدین کرتے اور جب رکوع کرتے اور جب اٹھاتے سر اپنا رکوع سے، اور سجدوں میں رفع الیدین نہ کرتے، اللہ تعالیٰ سے ملتے دم تک آپؐ کی نماز اسی طرح رہی۔ (یعنی وفات تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم رکوع میں جاتے، اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کرتے رہے"۔ (صلوٰۃ الرسول ص ۲۳۱)

اس حدیث کے بارے میں القول المقبول کے غیر مقلد مصنف کہتے ہیں کہ اس میں جو یہ آیا ہے کہ وفات تک حضور صلی اللہ علیہ وسلمؐ کی نماز اسی طرح رہی، "یہ اضافہ سخت ضعیف ہے"، لکھتے ہیں

اس حدیث میں "فما زالت تلک صلوٰتہ۔۔۔" کا اضافہ سخت ضعیف ہے، بلکہ باطل ہے، کیونکہ اس کی سند میں دو راوی متہم ہیں" (ص ۴۱۴)

پھر مزید لکھتے ہیں

"مگر دوسرے دلائل سے یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری عمر تک رفع یدین کے ساتھ نماز ادا کی ہے، نمبر ۳۵۰ میں آنے والی حدیث کے حاشیہ میں مولانا ابوالحسن سندھی رحمۃ اللہ کا کلام دیکھیں"۔ (ص ۴۱۴)

اس کے جواب میں عرض ہے کہ ۳۵۰ نمبر کی حدیث القول المقبول کے ص ۴۲۱ پر نقل کی ہے، وہاں تو کسی طرح کا کوئی کلام ہی نہیں ہے، احتیاطاً ہم نے مؤطا امام محمد بھی دیکھ لی، وہاں بھی حاشیہ پر مولانا ابوالحسن سندھی کا کوئی کلام نہیں ہے، گویا تا حیات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رفع یدین کرتے رہنا، خود آپ کے نزدیک بھی ثابت نہیں، آپ نے یہاں صرف بات بنائی تھی جو چل نہیں پائی۔

رفع یدین کے بارے میں یہ اختلاف نہیں ہے کہ رفع یدین نماز میں تھا ہی نہیں، بلکہ اختلاف یہ ہے کہ رفع یدین تھا، مگر منسوخ ہوتا چلا گیا، اور صرف ایک جگہ کا رفع یدین باقی بچا، وہ ہے نماز شروع کرنے میں نیت باندھتے وقت کا رفع یدین، زندگی بھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے علاوہ موقعوں کا بھی رفع یدین کرتے رہے ہوں تو ایسا نہیں ہے، اور جس روایت سے اس کو ثابت کیا جاتا ہے، وہ حدیث سخت ضعیف ہی نہیں بلکہ گڑھی ہوئی اور موضوع ہے، جیسا کہ آپ نے اوپر دیکھ لیا۔

متنازع فیہ رفع یدین کیسے کیسے منسوخ ہوا، اس کی تفصیل راقم سطور کی کتاب رسولِ اکرم کا طریقۂ نماز میں بالصراحت موجود ہے، وہاں دیکھ لیا جائے، لہٰذا ابوحمید ساعدیؓ کی روایت پیش کرنے سے کچھ حاصل ہونے والا نہیں، کیونکہ یہ سب رفع یدین منسوخ ہونے سے پہلے کا طریقہ ہے۔

اب ہماری سنئے! ہم کہتے ہیں کہ

تا وفات رفع یدین والی حدیث سخت ضعیف ہی نہیں بلکہ موضوع ہے، اس کے سلسلۂ

سند میں کئی ایسے راوی موجود ہیں جنہیں محدثین نے کذاب اور جھوٹی حدیثیں گڑھنے والا بتایا ہے، مثلاً عبدالرحمٰن بن قریش بن خزیمہ ہروی جو کہ بغداد میں رہتا تھا اور حدیثیں گڑھا کرتا تھا، اسی طرح دوسرا راوی عصمہ بن محمد الانصاری کو ابوحاتم کہتے ہیں کہ لیس بالقوی (قوی نہیں ہے) اور یحیٰی بن معین کہتے ہیں کہ کذاب یضع الحدیث (جھوٹا ہے حدیثیں گڑھتا ہے) عقیلی کہتے ہیں کہ ثقات کی طرف منسوب کر کے باطل روایتیں نقل کرتا ہے، امام دارقطنیؒ کہتے ہیں کہ متروك (متروک ہے)۔ (میزان الاعتدال)

زور سے آمین کہنے کی ضعیف حدیث

حکیم صادق صاحب کا ایک عنوان ہے ''صف اول نے آمین سنی'' پھر یہ حدیث لکھتے ہیں

عن ابی ہریرة قال کان رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا تلا غیر المغضوب علیهم ولا الضالین. قال آمین. حتی یسمع من یلیه من الصف الاول. (ابوداؤد، ابن ماجه)

حضرت ابی ہریرہؓ کہتے ہیں کہ جب رسول اللہؐ ''غیر المغضوب علیہم ولا الضالین'' پڑھتے تو آپ کہتے آمین، (اس قدر اونچی آواز سے) کہ پہلی صف کے آپ کے اردگرد کے لوگ سن لیتے۔ (ص ۱۹۴)

مگر القول المقبول کے مصنف اس حدیث کی سند پر گفتگو کرتے ہوئے کہتے ہیں

''اس کی سند ضعیف ہے، کیونکہ اس میں بشر بن رافع ضعیف ہے، اور ابوعبداللہ مجہول ہے، تفصیل نصب الرایہ (۱/۱۷۳) تلخیص الحبیر (۱/۲۳۸) اور مصباح الزجاجہ (۲۱۴) میں دیکھیں۔

ابن خزیمہ (۵۷) ابن حبان (۴۶۲) دارقطنی (۱/۲۳۵) حاکم (۱/۲۲۳) بیہقی (۲/۵۸) اور ابن عبدالبر (۷/۱۴) نے اس کو ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک دوسری سند سے بھی روایت کیا ہے، اس کو ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم اور ذہبی نے صحیح کہا ہے

اور دارِ قطنی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔

مگر میرے نزدیک اس کی تصحیح یا تحسین محلِ نظر ہے، یہ حدیث زہری کی سند سے مروی ہے، اور اہری سے اس کو زبیدی نے روایت کیا ہے، اور اس میں زبیدی سے نیچے ایک اور راوی اسحاق بن ابراہیم بن علاء ہے، جو متکلم فیہ ہے، حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ اس کو بہت زیادہ اوہام ہوتے ہیں۔ (القول المقبول ص ۳۶۰)

جہراً آمین کہنے کی ایک اور ضعیف حدیث

حکیم صادق صاحب ایک عنوان قائم کرتے ہیں "حضرت علیؓ کا آمین سننا" پھر یہ حدیث لاتے ہیں

عن علی قال سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول اٰمین اذا قرأ غیر المغضوب علیهم ولا الضالین.

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا "غیر المغضوب علیہم ولا الضالین" پڑھ کر آمین کہنا میں نے سنا۔ (مستدرک حاکم، اعلام الموقعین) (صلوٰۃ الرسول ۱۹۵)

"القول المقبول کے مصنف اس کی سند پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں

"اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس میں ضعف اور اضطراب پایا جاتا ہے، نیز یہ سلمہ بن سہیل کی سند سے وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

اس کی سند میں جو ضعف اور اضطراب ہے اس کی تفصیل کے لئے "علل ابن ابی حاتم" علل دارقطنی (۳۴۹/۱۵/۳) "تلخیص ابن حجر" (۱/۱۳۸) اور "مصباح الزجاجۃ بوصیری" (۱/۱۷۵/۳۱۵) دیکھیں"۔

دوسطر کے بعد پھر لکھتے ہیں

"تنبیہ: مؤلف نے اس حدیث کو "مستدرک حاکم" کی طرف منسوب کیا ہے، جب کہ اس میں نمبر ۲۷۴ میں مذکور حدیثِ ابوہریرہ ہے، یہ حدیث نہیں۔

مستدرک کے ساتھ انہوں نے اعلام الموقعین کا حوالہ بھی دیا ہے مگر اس کی حیثیت ایک مرجع کی ہے مصدر کی نہیں کہ تخریجِ احادیث میں اس کا حوالہ دیا جائے"۔ (ص ۳۶۲)

زور سے آمین کہنے کی یہ حدیث بھی ضعیف

حکیم صادق صاحب کا ایک عنوان ہے "عورتوں کی صف میں آمین کی آواز" پھر حدیث لکھتے ہیں

عن ابن ام الحصین عن امه انها صلت خلف رسول الله صلی الله علیه وسلم فلما قال ولا الضالین. قال آمین فسمعته وھی فی صف النساء.

حضرت ام حصین رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ کے پیچھے نماز پڑھی، حضورؐ نے جب "ولا الضالین" پڑھی تو آمین کہی، جسے مائی صاحبہ (ام حصینؓ) نے سنا، حالانکہ مائی صاحبہ عورتوں کی صف میں تھیں۔

یہ حدیث امام زیلعیؒ اپنی تخریج میں لائے ہیں، اور اسناد پر کوئی جرح نہیں کی اور حافظ ابن حجر کے نزدیک بھی غیر مجروح ہے اور طبرانی کبیر میں بھی مروی ہے، جب آمین بالجہر کا مسئلہ دوپہر کے دن کی طرح ثابت اور روشن ہے، افسوس پھر بھی اونچی آمین سے نفرت کی جاتی ہے، بھائیو! غور کرو رسولِ خدا کی سنتِ پاک سے نفرت! (ص ۱۹۵)

اس کے بارے میں القول المقبول کے مصنف لکھتے ہیں

اس کو طبرانی (۲۵/۱۵۸) اور اسحاق بن راہویہ نے "مسند" میں، جیسا کہ نصب الرایہ (۱/۲۷۱) میں ہے، روایت کیا ہے۔

سند: ھارون بن موسیٰ النحوي ثنا اسماعیل بن مسلم عن ابی اسحاق عن ابن ام الحصین عن جدته ام الحصین.

یہ اس حدیث کی سند ہے اور یہ ضعیف ہے، کیونکہ اس میں مذکور اسماعیل بن مسلم بصری نزیل مکہ ہے، جو ضعیف ہے، حافظ ہیثمی نے مجمع الزوائد (۲/ ۱۱۷) میں اور علامہ شوکانی نے بھی نیل الاوطار (۲/ ۲۲۲) میں اسی اسماعیل کی وجہ سے اس کی سند میں کلام کیا ہے۔ (۳۶۲)

آمین کے بعد سکتہ کی ضعیف حدیث

حکیم صادق صاحب لکھتے ہیں

"آمین کہہ کر تھوڑی دیر ٹھہریں (ترمذی)"۔ (صلوٰۃ الرسول ص ۲۰۵)

القول المقبول کے مصنف لکھتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔

"اس کو ترمذی (۲۵۱) اسی طرح ابوداؤد (۷۷۷، ۷۸۰) ابن ماجہ (۸۴۴، ۸۴۵) بخاری نے جزء القرأۃ (۲۷۷)، ۲۷۸) میں ابن منذر نے "اوسط" (۳/ ۱۱۸) میں طبرانی نے "کبیر" (۷/ ۲۷۲، ۱۸/ ۱۴۶) میں دارِ قطنی (۱/ ۳۳۶) حاکم ابن حزم (۴/ ۹۷) بیہقی (۲/ ۱۹۵۔ ۱۹۶) اور خطیب نے بھی "موضح" (۱/ ۴۱۱) میں حسن بصری کی سند سے سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

اس کی سند ضعیف ہے، کیونکہ حسن بصری مدلس ہیں اور انہوں نے اس حدیث کو بیان کرتے ہوئے سمرہ سے سماع یا تحدیث کی صراحت نہیں کی۔

ویسے بھی حسن بصری کے سمرہ سے سماع کے بارے میں اختلاف ہے۔

نیز حسن بصری سے اس حدیث کو روایت کرتے ہوئے اکثر راویوں نے پوری قرأت کے بعد یعنی رکوع کرنے سے پہلے ٹھہرنے کا ذکر کیا ہے۔

اس حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو سکتے کرتے، 'دو مرتبہ ٹھہرتے یا خاموش ہوتے، پہلا سکتہ تکبیر تحریمہ کے بعد اور دوسرا بعض راویوں کے کہنے کے مطابق سورۂ فاتحہ کے بعد، اور اکثر راویوں کی روایت کے مطابق رکوع

میں جانے سے پہلے۔

جہاں تک آپ کے پہلے سکتے کا تعلق ہے تو وہ صحیح ہے، کیونکہ اس کا ذکر ایک دوسری صحیح حدیث میں بھی آیا ہے، دیکھیں اس کتاب کی حدیث (۲۶۸)۔

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاتحہ کے بعد اور سورت پڑھنے کے بعد بھی سکتہ کرتے۔

اس کو طبرانی (۲۰/ ۷۴) نے روایت کیا ہے، مگر یہ من گڑھت حدیث ہے اس میں خصیف بن مجدد ہے جو کذاب ہے دیکھیں "میزان" (۱/ ۶۵۳)۔

(القول المقبول ص ۳۷۵)

آٹھ رکعات تراویح کی ضعیف حدیثیں

غیر مقلدین، آٹھ رکعات تراویح پر بہت زور دیتے ہیں، لیکن دیکھئے ان کی ان حدیثوں کا کیا حال ہے، حکیم صادق صاحب نے صلوٰۃ الرسول کے ص ۳۸۰ وص ۳۸۲ پر یہ حدیثیں نقل کی ہیں

وعن جابر رضی اللہ عنہ قال صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی رمضان ثمان رکعۃ ثم اوتر. (رواہ ابن خزیمۃ وابن حبان فی صحیحھما)

حضرت جابر بن عبداللہؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو رمضان میں آٹھ رکعت (تراویح) پڑھائیں پھر وتر پڑھے۔ (صحیح ابن حبان صحیح ابن خزیمہ)

حکیم صادق صاحب لکھتے ہیں

اس غیر مجروح حدیث سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تین رات نماز پڑھائی تھی، وہ گیارہ رکعت تھی، جن میں تین وتر بھی شامل ہے۔

(صلوٰۃ الرسول ص ۳۸۰)

تعجب ہے کہ حکیم صادق صاحب نے اس حدیث کو غیر مجروح کہا، حالانکہ اس کا مجروح وضعیف ہونا القول المقبول کے مصنف کو بھی تسلیم ہے۔ (ص ۶۰۶)

ایک دو نہیں، اس کے تین تین راوی ضعیف و مجروح ہیں، عیسیٰ بن جاریہ، یعقوب قمی، محمد بن حمید رازی۔

حکیم صادق صاحب آٹھ رکعت تراویح کی ایک اور حدیث ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں

عن جابر جاء ابی بن کعب فی رمضان فقال یا رسول الله کان اللیلة شئ قال وما ذاك یا ابی قال نسوة داري قلن انا لا نقرأ القرآن فنصلي خلفك بصلٰوتك فصلیت بهن ثمان رکعات والوتر فسکت عنه وکان شبه الرضا. (کتاب قیام اللیل امام مروزي)

''حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رمضان میں حضرت ابی بن کعبؓ نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا حضور! رات کو ایک بات ہوگئی آپؐ نے فرمایا وہ کیا؟ اے ابی! انہوں نے کہا، حضور! میرے گھر کی عورتیں کہنے لگیں، ہم قرآن نہیں پڑھتیں اس لئے ہم تمہارے پیچھے نماز (تراویح) پڑھیں گی (اور قرآن سنیں گی) تو میں نے انہیں آٹھ رکعت تراویح اور وتر پڑھا دیئے، پس آپ نے یہ سن کر سکوت فرمایا، گویا (سکوت) سے اس بات کو پسند فرمایا''۔

اس روایت میں بھی عیسی بن جاریہ اور یعقوب قمی ہی ہے، دونوں نے اس حدیث کو بھی مجروح وضعیف کر دیا ہے۔

جہاں تک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رمضان وغیر رمضان میں گیارہ رکعتیں پڑھنے کی حدیث ہے اس کا تعلق تراویح سے ہے ہی نہیں، وہ تہجد کے بارے میں ہے، جو حضرات تفصیل کے طالب ہوں وہ راقم سطور کی کتاب ''رسولِ اکرمؐ کا طریقۂ نماز'' ص ۳۷۰ تا ص ۴۵۵ کا مطالعہ کریں، ساری باتیں انشاءاللہ آئینہ کی طرح صاف

ہوجائیں گی اور پتہ چل جائے گا کہ حکیم صادق جیسے لوگ کس قدر کمزور بنیادوں پر کھڑے ہوکر شوروغل مچارہے ہیں۔

غیر مقلدین کے پاس آٹھ رکعت تراویح کی کوئی قوی دلیل نہیں

جن احادیث میں صراحۃً تراویح کی آٹھ رکعت کا تذکرہ تھا، ان کا حال آپ دیکھ چکے، حقیقت یہ ہے کہ حکیم صادق جیسے غیر مقلدین کے پاس آٹھ رکعت تراویح کی کوئی قوی دلیل نہیں ہے۔

لے دے کے ان کے پاس جو ہے وہ حدیثِ عائشہؓ ہے، جس میں اس بات کا ذکر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان وغیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے، الفاظِ حدیث یہ ہیں

ماکان یزید فی رمضان ولافی غیرہ علی احدي عشرۃ رکعۃ یصلی اربعاً فلا تسأل عن حسنہن وطولھن ثم یصلی اربعاً فلا تسأل عن حسنہن وطولھن ثم یصلی ثلاثاً. (صحیح بخاری ار باب صلوٰۃ اللیل)

رمضان ہوتا یا نہ ہوتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (رات کی نماز علی العموم) گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے، (پہلے) آپ چار رکعت پڑھتے، ان کی خوبی اور درازی تو تم دریافت ہی نہ کرو، پھر آپ چار رکعت پڑھتے پس ان کی خوبی اور درازی (بھی) کچھ نہ پوچھو، پھر (اخیر) میں آپ تین رکعت (وتر) پڑھتے۔ (صلوٰۃ الرسول ص ۳۶۹)

مگر یہ حدیث تہجد سے متعلق ہے، تراویح سے نہیں، دلیل اس کی درج ذیل ہے۔

(۱) آپ حضرات تراویح اور تہجد کو ایک کہتے ہیں، لیکن حقیقۃً یہ دونوں، دو نمازیں ہیں، تراویح رمضان میں ہوتی ہے، تہجد رمضان وغیر رمضان، دونوں میں، لہٰذا حدیث میں مذکور نماز، تہجد ہے جو رمضان اور غیر رمضان، دونوں میں ہوتی ہے۔

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نماز، چار چار رکعت پڑھی تھی، تراویح دو دو

رکعت ہوتی ہے، آپ لوگ بھی کبھی بھی تراویح چار چار رکعت نہیں پڑھتے، دو دو ہی پڑھتے ہیں، پڑھنے کا طریقہ بھی بتاتا ہے کہ دونوں، دو نمازیں ہیں۔

(۳) تہجد پڑھنے والے کے لئے یہی حکم ہے کہ وہ تہجد کے آخر میں وتر پڑھے، جیسا کہ اس نماز میں آخر میں تین رکعت وتر پڑھنے کا تذکرہ ہے۔

(۴) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رمضان وغیر رمضان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تہجد آٹھ رکعت پڑھی، جبکہ آپ حضرات کو بھی تسلیم ہے کہ زیادہ تر آپ تہجد آٹھ رکعت پڑھتے تھے، ورنہ آٹھ سے زیادہ بھی پڑھی ہے، اور کم بھی، چنانچہ حکیم صادق نے خود ترجمہ میں بریکٹ میں یہ اضافہ کیا ہے "رات کی نماز علی العموم"

حکیم صادق صاحب نے صلوٰۃ الرسول ص ۳۶۸ میں تہجد کی چار، چھ رکعتیں بھی خود تسلیم کی ہیں، حقیقت یہ ہے کہ تہجد کی دس رکعتیں بھی آئی ہیں، (تحفۃ الاحوذی ۲/ ۷۳)

اب تہجد اور تراویح کو ایک قرار دینے والوں کو تراویح ۸ رکعت کی رٹ نہیں لگانی چاہئے، بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ تراویح چار رکعت بھی ہوتی ہے، چھ رکعت بھی ہے، آٹھ بھی ہے اور دس بھی ہے۔

لیکن صورتِ حال یہ ہے کہ ان مین کا ہر چھوٹا بڑا، پڑھا لکھا، بے پڑھا، سب آٹھ رکعت ہی پر مصر ہیں، نہ اس سے کم نہ اس سے زیادہ، گویا یہ لوگ خود اپنے عمل سے ظاہر کر رہے ہیں کہ تہجد اور تراویح الگ الگ نمازیں ہیں، خواہ زبان سے چیختے رہیں کہ دونوں ایک ہیں۔

تیر اور لکیر کو سترہ بنانے کی ضعیف حدیث

نمازی کے "سترہ" کے بیان میں حکیم صادق نے لکھا ہے کہ "تیر بھی سترہ ہو سکتا ہے" اور دلیل میں یہ حدیث پیش کی

سبرہ بن معبد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

من یستتر احدکم فی الصلوٰۃ ولو بسھم۔ سترہ ضرور رکھو، خواہ تیر ہی ہو۔

(بلوغ المرام) (صلوٰۃ الرسول ص ۳۳٦)

مگر القول المقبول کے مصنف کہتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔

اس کو ابن ابی شیبہ (۱/ ۲۷۸)) احمد (۳/ ۴۰۴) بخاری نے تاریخِ کبیر (۴/ ۱۸۷) میں ابو یعلی (۹۴۱) ابن خزیمہ (۸۱۰) طبرانی (۷/ ۱۳۳-۱۳۴) حاکم (۱/ ۲۵۲) اور بیہقی (۲/ ۲۷۰) نے روایت کیا ہے۔

اس حدیث کو ابنِ خزیمہ نے تو صحیح کہا ہے، ملاحظہ ہو، صحیح ابن خزیمہ (۲/ ۲۷) مگر اس کی سند ضعیف ہے، کیونکہ اس میں ایک راوی عبدالملک بن ربیع ہے، ابن معین نے کہا ہے کہ اس کی اپنے باپ سے بیان کردہ احادیث ضعیف ہیں، اور یہ حدیث اس نے اپنے باپ ہی سے روایت کی ہے۔

ابن حبان نے اس کو بہت منکر الحدیث کہا ہے، ابن قطان نے کہا ہے کہ یہ حجت کے قابل نہیں۔ (ص ۵۴۳)

حکیم صادق نے دوسری حدیث نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "لاٹھی اور لکیر کا بھی سترہ ہوسکتا ہے"۔ ان کی پیش کردہ حدیث یہ ہے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! جب تم نماز پڑھنے لگو، تو اپنے آگے سترہ رکھ لو، اگر کوئی چیز نہ ملے، تو لاٹھی گاڑ لو، اگر وہ بھی نہ ملے تو لکیر کھینچ لو، پھر اس کے بعد کسی کے گذرنے سے تمہیں کوئی نقصان نہیں پہونچے گا۔ (احمد، ابن ماجہ، ابوداؤد وغیرہ) (صلوٰۃ الرسول ص ۳۳٦)

مگر القول المقبول کے مصنف اسے بھی ضعیف کہتے ہیں، وہ لکھتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے

اس کو احمد (۲/ ۲۴۹، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲٦٦) ابن ماجہ (۹۴۳) ابوداؤد (٦۸۹،

۶۹۰)عبدالرزاق (۲/۱۲)ابن ابی شیبہ (۲/۲۴۹، ۲۵۵، ۲۶۶)حمیدی (۹۹۳) بحشل واسطی نے ''تاریخ واسط'' (۱۳۱) میں دولابی نے ''کنی'' (۲/۱۰۱) میں ابن حبان نے صحیح (۷۔۴۔۸۔۴ موارد) اور ثقات (۴/۱۷۵) میں ،اور بیہقی (۲/۲۷۰، ۲۷۱) نے روایت کیا ہے۔

اس حدیث کی سند ضعیف ہے، کیونکہ اس میں اضطراب ہونے کے ساتھ ساتھ دو مجہول راوی بھی ہیں، اور وہ ہیں ابوعمرو بن محمد بن حریث اور حریث، ان دونوں کو حافظ ابن حجر نے ''تقریب'' (۱/۱۵۹، ۲/۴۵۵) میں مجہول کہا ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ حافظ صاحب کا ''بلوغ المرام'' (۴۵) میں اس حدیث کو حسن کہنا درست نہ ہوا۔

اس حدیث کو سفیان بن عیینہ، طحاوی، دارقطنی، بغوی، نووی اور عراقی وغیرہ نے ضعیف کہا ہے، ملاحظہ ہو ''مجموع نووی'' (۳/۲۴۶) مقدمہ ابن صلاح مع شرح العراقی (۱۲۴، ۱۲۶) اور ''تہذیب التہذیب'' (۳/۲۰۶، ۲۰۷، ۱۲/۱۹۹)۔

اسی طرح ابوعوانہ نے بھی اس حدیث کی تضعیف کی طرف اشارہ کیا ہے، ملاحظہ ہو ''صحیح ابوعوانہ'' (۲/۴۵)

مسند طیالسی (۱/۸۸) میں اس حدیث کی ایک دوسری سند بھی ہے، مگر وہ سند بھی ایک مجہول راوی کی وجہ سے ضعیف ہے۔ (القول المقبول ص ۵۴۴)

نمازِ جنازہ میں سورۂ فاتحہ کی ضعیف حدیث

حکیم صادق عنوان قائم کرتے ہیں ''جنازہ میں سورۂ فاتحہ'' پھر لکھتے ہیں

حصن حصین میں ہے واذا صلی علیه کبر ثم قرأ الفاتحة. یعنی جب آپ نماز پڑھتے میت پر، تکبیر کہتے پھر سورۂ فاتحہ پڑھتے۔ (ص ۴۳۳)

مگر القول المقبول کے مصنف اس پر یوں نقد کرتے ہیں

''مؤلف رحمہ اللہ نے اس حدیث کے لئے حصن حصین کا حوالہ دیا ہے، اور اس میں

درج ذیل حدیث مذکور ہے“۔

شرحبیل بن سعد سے روایت ہے کہ ”ابوا“ مقام میں ابن عباس رضی اللہ عنہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی آپ نے تکبیر کہی اس کے بعد باآوازِ بلند سورہ فاتحہ تلاوت کی پھر درود پڑھا، اس کے بعد دعاء کی، جو دعاء نمبر (۶۷۳) میں آرہی ہے، اور فارغ ہونے کے بعد فرمانے لگے کہ میں نے سورۂ فاتحہ اس لئے جہری آواز سے تلاوت کی ہے تاکہ تمہیں علم ہوجائے کہ اس کا پڑھنا سنت ہے۔

اس کو حاکم (۱/۳۵۹) اور بیہقی (۴/۴۲) نے روایت کیا ہے، مگر اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ شرحبیل بن سعد کی توثیق میں اختلاف ہے، جیسا کہ ”فتح الباری“ (۳/۲۰۴) میں ہے، نیز اس کی سند میں موسیٰ بن یعقوب زمعی ہے جو سیٔ الحفظ ہے جیسا کہ ”تقریب“ میں ہے۔

اوسط طبرانی (۱۹۵۹) میں عبید اللہ بن عبداللہ بن عتبہ سے روایت ہے کہ ابن عباس جب نمازِ جنازہ پڑھاتے تو تکبیر کہتے پھر سورۂ فاتحہ پڑھتے اس کے بعد نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود پڑھتے پھر تکبیر کہتے۔

اس سند کے طبرانی کے شیخ احمد بن محمد بن نافع کے علاوہ باقی تمام راوی ثقہ ہیں اور احمد بن محمد کا حال معلوم کرنے کی ضرورت ہے۔ (ص ۲۰۴)

یعنی یہ راوی مجہول ہے۔

جرابوں، کپڑوں وغیرہ کے موزوں پر مسح کی ضعیف احادیث

چمڑے کے موزوں پر مسح بالکل جائز اور متفق علیہ ہے، لیکن غیر مقلد حضرات، اونی موزوں اور کپڑوں وغیرہ کے موزوں پر بھی مسح کرنے لگے ہیں، اور اس کو بھی حدیثوں سے ثابت کرتے ہیں، یہ حدیثیں بھی اسی طرح ضعیف، بلکہ سخت ضعیف ہیں، جس طرح آپ پچھلے صفحات میں دیکھ چکے ہیں۔

حکیم صادق صاحب نے ص ۱۰۳ تا ص ۱۰۶ میں بڑا زور لگایا ہے، ان کی پیش کردہ

حدیثیں، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، نسائی، مسند احمد، بیہقی، اور معجم طبرانی میں آئی ہیں، ان کے راوی ہیں، حضرت بلالؓ، حضرت مغیرہ بن شعبہؓ، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ وغیرہ، مگر ان میں سے کوئی حدیث صحیح نہیں۔

القول المقبول کے مصنف نے بھی انہیں ضعیف تسلیم کیا ہے۔ دیکھئے ص ۲۰۵ و ص ۲۱۰ وغیرہ۔

ان ساری حدیثوں کے ضعف کے متعلق پوری تفصیل دیکھنی ہو تو غیر مقلد محدث حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب مبارکپوریؒ کی شرح ترمذی، تحفۃ الاحوذی جلد اول ص ۱۰۰ تا ص ۱۰۴ کا مطالعہ کریں، انہوں نے خود ہی حکیم صادق صاحب جیسے غیر مقلدین کی ساری کوششوں پر پانی پھیر دیا ہے، اور غیر مقلدین کے شیخ الکل مولانا میاں نذیر حسین صاحب دہلویؒ کا فتویٰ بھی پڑھ لیجئے

''الغرض مندرجہ بالا جرابوں پر مسح کی کوئی دلیل نہیں، نہ قرآن کریم سے، نہ سنت سے، نہ اجماع سے، اور نہ قیاسِ صحیح سے، جیسا کہ آپ نے دیکھ لیا۔ (فتاویٰ نذیریہ ۱/۳۲۷ و ۳۲۸) (۱)

نمازِ فجر کے فوراً بعد سنت پڑھنے کی منقطع حدیث

حکیم صادق صاحب نے ایک عنوان قائم کیا ہے ''فجر کی سنتیں، فرضوں کے بعد پڑھ سکتے ہیں'' پھر لکھتے ہیں

''اگر آپ ایسے وقت مسجد میں پہونچیں کہ جماعت کھڑی ہوگئی ہو اور سنتیں آپ نے نہ پڑھی ہوں، تو پھر جماعت کے پاس سنتیں مت پڑھنی شروع کر دیں، کیونکہ جماعت کے ہوتے ہوئے پاس کوئی نماز نہیں ہوتی، آپ جماعت میں شامل ہو جائیں اور فرض

---

(۱) احادیث کے ضعف پر مکمل بحث کے لئے راقم کی کتاب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ نماز ص ۳۹ تا ۴۶ کا مطالعہ کریں۔

پڑھ کر سنتیں پڑھ لیں"۔(صلوٰۃ الرسول ص ۳۵۰)

حکیم صاحب نے دلیل کے طور پر ایک حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو نماز فجر کے فوراً، فجر کی سنت، پڑھتے ہوئے دیکھا، اور دریافت فرمایا کہ یہ کون سی نماز ہے، اس نے جواب دیا، فجر کی سنت، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے۔ پھر حکیم صاحب لکھتے ہیں

"اور خاموشی آپ کی رضامندی کی دلیل ہے، محدثین کی اصطلاح میں یہ تقریری حدیث کہلاتی ہے"۔(صلوٰۃ الرسول ص ۳۵۱)

مگر امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو نقل کر کے فوراً لکھ دیا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔(۱۹۶/۱) القول المقبول کے غیر مقلد مصنف نے بھی تسلیم کیا ہے کہ اس کی سند منقطع ہے، اور یہ بھی لکھا ہے کہ اس کی ایک "شاہد" روایت ہے، اس کی سند سخت ضعیف ہے۔(ص ۵۶۹)



پاسبانِ حق













Maktaba Sadaqat

Nowadah, Mubarakpur, Azamgadh (UP)